ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور

۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین © لاہور

ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ ثَابِتُ بْنُ قَیْسِ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِیْبَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا نَزَلَتْ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ جَلَسَ ثَابِتٌ فِیْ بَیْتِہٖ وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَقَالَ مَا شَاْنُ ثَابِتٍ اَیَشْتَکِیْ فَاَتَاہُ سَعْدٌ فَذَکَرَ لَہٗ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ثَابِتٌ اُنْزِلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ وَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ مِنْ اَرْفَعِکُمْ صَوْتًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَنَا مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَذَکَرَ ذٰلِکَ سَعْدٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلْ ھُوَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (رواہ مسلم و البخاری مثلہ)

ترجمہ: انس رضؓ فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس رضؓ انصار کے خطیب تھے۔ جب آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند مت کرو (آخر آیت تک) تو ثابت اپنے گھر بیٹھ رہے اور آپ کی خدمت میں آنا جانا بند کر دیا۔ آپ نے سعد بن معاذ رضؓ سے دریافت کیا کہو ثابت رضؓ کیسے ہیں؟ کیا بیمار ہیں؟ سعد اُن کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے کا حال ان سے بیان کیا۔ ثابت بولے کہ اونچی آواز سے بولنے کی ممانعت نازل ہو چکی ہے اور تم لوگ جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں تم سب میں زیادہ میری ہی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ تو مجھے غم یہ ہے کہ میں کہیں دوزخی نہ ہوں۔ سعد نے آ کر یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی آپؐ نے فرمایا کہ وہ دوزخی نہیں، بلکہ جنتی شخص ہیں۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری نے بھی اسی کے قریب روایت کیا ہے۔

شرح: سورۂ حجرات کی ابتدائی کئی آیتیں بارگاہِ نبوّت کا ادب سکھلانے کے لیے اتری ہیں۔ عرب اپنی سادہ فطرت سے ان دقیق آداب سے اب تک نا آشنا تھے، جن کو نبوّت کا نازک مقام مقتضی تھا۔ اسلام نے آ کر جہاں ان کو رفتہ رفتہ بھائی بھائی، ماں باپ اور تمام باہمی رشتوں کے آداب بتلائے۔ اس کے ساتھ ہی اب وقت آ گیا تھا کہ انھیں خدا اور رسول کے وہ آداب بھی بتلا دیئے جائیں جن سے غفلت کرنا کیے کرائے اعمال کو اکارت کر دیتا ہے، ان میں سے ایک ادب یہ تھا کہ رسول کے سامنے اس طرح زور زور سے بیباکانہ گفتگو نہ کی جائے جیسے باہمی ایک دوسرے کے سامنے کی جاتی ہے اور نہ اس طرح اس کو پکارا جائے جیساکہ آزادانہ ایک دوسرے کو نام لے کر پکارا جاتا ہے۔ یہ طور طریق احترام نبوّت کے خلاف ہے اور جو نبوّت کا احترام نہیں کرتا خطرہ ہے کہ اس کے عمل اکارت نہ ہو جائیں۔ ثابت بن قیس رضؓ قدرتہً بلند آواز تھے۔ یہ سُن کر ڈر گئے اور سمجھے کہ بارگاہِ نبوّت میں یہ گستاخی مجھ سے بارہا سرزد ہو چکی ہے اس لیے میرا اب کہاں ٹھکانا ہوگا۔ رحمۃ للعالمینؐ کو جب یہ خبر ملی تو اُن کی اس ادا پر آپؐ کا دل بھر آیا اور آپؐ نے اس ادب کی وجہ سے جس سے ان کا قلب معمور تھا اُن کو جنت کی بشارت سنا دی اور اُن کی اس بلند آوازی کو جو قدرتہً تھی قابلِ عفو سمجھا۔ معلوم ہوا کہ ادب کا اصل دار و مدار قلب پر ہے۔ پھر ظاہر میں اس کے لیے کچھ علامات بھی مقرر ہیں۔ اگر قلب کی گہرائیوں میں ادب موجود ہے تو ظاہر کی فروگذاشت سے اغماض کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب آپؐ کے کلام یعنی حدیث شریف کو سُن کر اس کا معاوضہ و مقابلہ کرنا اس کا مذاق اڑانا تن آسانی اور ہوا پرستی کے لیے اس کی تاویلات کرنا، یہ سب آپ کی ہی گستاخی کے برابر ہے۔ دُنیا اگر کسی شاعر کا احترام کرتی ہے تو اس کے کلام کو بھی بنظرِ احترام دیکھتی ہے۔ پھر انصاف کرو کہ کیا رسول کا مرتبہ ایک شاعر سے بھی کم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسولؐ کے صحیح احترام و ادب کی توفیق دے۔

آمین

یا ربّ العالمین

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

لازم ہے احترام رسوؐل کریم کا ——— مافوق ہے مقام رسولِ کریمؐ کا
ہر ذرہ کائنات کا پڑھنے لگا درود ——— نکلا جو منہ سے نام رسولِ کریمؐ کا
دونوں جہاں بنے تو بنے آپ کے لیے ——— ارض و سما تمام رسولِ کریمؐ کا
ختم الرسُل حضورؐ کی ہے ذات لاجواب ——— بے مثل ہے مقام رسولِ کریمؐ کا
دونوں جہاں میں اسم محمدؐ کی روشنی ——— دونوں جہاں میں نام رسولِ کریمؐ کا
کس درجہ رام ہو گئے سنتے ہی سنگدل ——— شیریں ہے وہ کلام رسولِ کریمؐ کا
پڑھتا ہے خود خدا بھی درود آپؐ پر مدام ——— کتنا ہے احترام رسولِ کریمؐ کا

میری زباں پہ شوقؔ بس رہتا ہے ذکرِ خیر
دن رات صبح و شام رسولِ کریمؐ کا

از عبدالحمید شوقؔ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

خدّامُ الدّین

لاہور

جلد ۵ - جمادی الاوّل ۱۳۸۲ھ مطابق
۵ر اکتوبر ۱۹۶۲ء - شمارہ ۲۳

پاکستان و ہندوستان

سالانہ	۱۱ روپے
ششماھی	۶ "
سہ ماھی	۳ "
فی پرچہ	۲۵ پیسے

سعودی عرب کویت ایران
افریقہ ملایا ھانگ کانگ
انگلینڈ — کیلئے

سالانہ چندہ

عام ڈاک سے ۱۸٫۸۷ روپے
ہوائی ڈاک سے ۵۴٫۰۰ "

امریکہ:- عام ڈاک سے ۲۴ روپے
ہوائی ڈاک سے ۸۳٫۸۰ روپے

نوٹ

بیرونی ممالک کے لیے چھ ماہ سے کم میعاد کے لیے پرچہ جاری نہیں کیا جائے گا

ناظم انجمن کو صدمہ

انجمن خدام الدین کے ناظم میاں غلام حسین صاحب کے برادر اصغر میاں احمد حسن صاحب چالیس دن تک حیات و موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد بالآخر ۲۹/۹/۶۲ بروز ہفتہ چار بجے شام اپنے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

نماز جنازہ اتوار کے دن حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ نے پڑھائی اور مرحوم کو قبرستان میانی صاحب میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ اس خاندان کی خدام الدین کے لئے قربانیاں اور حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ سے محبت مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔ ادارہ میاں غلام حسین صاحب اور مرحوم کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی ہے اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

تعزیراتِ اسلامی

(۲)

بلاشبہ قانونِ اسلامی کو کامل اور مکمّل شکل میں نافذ ہونا چاہیے کہ یہی ہر سچے اور پکے مسلمان کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی اور درد میں ڈوبی ہوئی آواز ہے۔ لیکن یہ مفروضہ بھی کہ اسلامی قانون کی کوئی شق کسی وقت، خاص حالات کے تحت یا کسی خاص سوسائٹی کے لیئے ظلم بھی ہو سکتی ہے ہماری دیانتدارانہ اور مخلصانہ رائے کے مطابق قطعی غلط اور گمراہ کُن ہے۔

اگر بنظرِ غائر تجزیہ کیا جائے تو یہی مفروضہ بجائے خود گمرہی کے کئی دروازے کھولنے کا پیش خیمہ اور آئے دن نت نئے مفاسد کے پھوٹ نکلنے کا سرچشمہ بن سکتا ہے۔ پھر اس سے دینِ حق کی عظمت اور قانونِ اسلامی کا وقار بھی گھٹتا ہے بڑھتا کسی صورت میں نہیں۔

ظاہر ہے کسی معاشرے یا سوسائٹی کی صحت اسی وقت تک برقرار رہ سکتی ہے جب تک ان کے دلوں میں اُن قوانین و ضوابط کا احترام اور خوف باقی رہے جن کے لیے اس معاشرے کی نیو اٹھائی گئی تھی۔ واقعات شاہد ہیں کہ اگر عوام و خواص قانونِ الٰہی کے اساسی اصولوں کے احترام کی تڑپ سے محروم ہو جائیں اور قوانینِ خداوندی کا خوف جزوی طور پر بھی ان کے دلوں سے اُٹھ جائے تو وہ اصلاحِ حال کی ساری کوششوں کے باوجود تباہی سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام حدود و قصاص کو بھی نافذ کرتا ہے اور معاشرے کی اصلاح بھی کرتا ہے مگر اس سے یہ سمجھنا کہ اسلام پہلے معاشرے کی اصلاح اور بعد میں حدود و تعزیرات جاری کرتا ہے یا پہلے سزائیں دیتا اور بعد میں معاشرے کی اصلاح کرتا ہے۔ علمِ شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اسلام بیک وقت دونوں باتوں کی تعمیل کا حکم دیتا ہے۔ معاشرے کی اصلاح کی مساعی بھی جاری رہیں خواہ وہ وعظ و نصیحت سے ہوں یا تبلیغ و اشاعت سے، نیک صحبت و رفاقت سے ہوں یا بہترین نمونۂ عمل پیش کرنے سے اور اسی طرح جرائم کی سزائیں بھی جاری کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ ان سزاؤں کا جاری کرنا بلکہ ان کا اعلان کرنا ہی اصلاح کا اہم اقدام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں چوری کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسروں کو عبرت دلانے اور برائیوں سے روکنے کے لیے ہے)

یہ کہنا کہ ابتداءِ اسلام میں احکام تدریجًا نازل ہوتے رہے اس بات کی دلیل نہیں کہ اب ان پر عمل بھی تدریجًا کیا جائے۔ قرآن پاک کے نزول کے وقت بھی معمول تھا کہ جس قدر کلام اللہ نازل ہو چکا ہوتا اس کو واجب العمل سمجھا جاتا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ نازل شدہ احکام میں سے بعض پر تو عمل ہوا ہو اور بعض پر عمل ہی نہ کیا گیا ہو۔ اسی طرح آج جب کہ پورا قرآنِ پاک نازل ہو چکا ہے تو سب پر عمل فرض ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ پہلے نماز فرض ہوتی تو صرف نماز ہی فرض تھی لیکن جب روزے فرض ہو گئے تو اب روزے اس لیے نہ رکھنا کہ پہلے نماز کی عادت ہو جائے تو خود ہی بتایئے دین سے عدم واقفیت نہیں تو اور کیا ——— ہے۔ حالانکہ جس طرح نماز فرض ہے اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ بھی فرض ہے اور سب پر عمل کرنا بھی فرض ہے جرائم کی کثرت کو اسلامی تعزیرات کی راہ میں حائل سمجھنا بھی انتہائی نادانی ہے۔ عقل کا تقاضا اور دنیا کا تجربہ بتاتا ہے کہ جب جرائم کی کثرت ہو جاتی ہے تو سزائیں سخت دی جاتی ہیں تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔ اس کے برعکس یہ نظریہ بالکل غلط اور گمراہ کُن ہے کہ اگر بدمعاشوں کا زور ہو جائے تو وہاں شرعی سزاؤں کو ترک کر دینا چاہیے۔ اور عوام نیک ہوں تو انہیں سزا دی جائے۔ زمانۂ حال میں مارشل لا کا نفاذ بھی بطورِ نظیر پیش کیا جا سکتا ہے کہ جس کے نفاذ کے دوران بڑے بڑے فراعنہ بھی سخت سزاؤں کا نام سُن کر گربۂ مسکین نظر آتے تھے۔ سعودی عرب میں بھی شرعی سزاؤں کے نفاذ سے قبل لوگوں کے جان و مال محفوظ نہ تھے مگر جب سے شرعی سزاؤں کا دور دورہ ہوُا اُس وقت سے اگر کسی کا سونا بھی سرِ راہ پڑا رہے تو کوئی نگاہ اٹھا کر بھی اُس کی طرف نہیں دیکھتا۔ گذشتہ اشاعت میں، جو عبارت حوالہ دیئے بغیر نقل کی گئی وہ دو باتوں کی آئینہ دار ہے۔ ایک تو اس میں یہ مفروضہ ہے کہ سوسائٹی کی اصلاح کے بعد سزائیں جاری کی جائیں اور دوسرے اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ حدِ سرقہ (چوری کی سزا) صرف اُس سوسائٹی کے لیے مقرر ہے جس میں اسلام کے معاشی تصوّرات اور اصول و قوانین پوری طرح نافذ ہوں۔

در حقیقت یہ دونوں مفروضے غلط اور متضاد ہیں۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ اگر ایک شخص نے حج نہیں کیا تو اسے نماز سے بھی روک دیا جائے۔ زکوٰۃ دینے سے کنی کتراتا ہے تو فریضۂ صوم ادا کرنے سے بھی اُسے باز رکھا جائے۔ قانونِ وراثت پر اگر عمل نہیں ہو رہا تو چوروں اور زانیوں کو بھی کھلی چھٹی دے دی جائے اور ان کو شرعی سزاؤں سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔

قرآن کا فیصلہ ہے کہ قیامت

(بقیہ ص ۱۸)

مجلسِ ذکر مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۶۲ء بروز جمعرات
بمطابق ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

اللہ کا نام لینے کی برکات

مرتبہ خالد سلیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم
الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ الْخَلْقِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت نہیں ہوگی مگر بدترین آدمیوں پر۔

یعنی جب دنیا میں بدکرداری ہی بدکرداری ہوگی تو اُس وقت آجائے گی۔

دوسری حدیث:

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی لَا یُقَالُ ..... اَللّٰہُ اَللّٰہُ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ عَلٰی اَحَدٍ یَّقُوْلُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ، حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: قیامت نہیں آئے گی جب تک (ایسا وقت نہ آجائے) کہ بالکل نہ کہا جائے اللہ اللہ۔

اور اس حدیث کو بعض راویوں نے اس طرح نقل کیا ہے کہ قیامت نہیں قائم ہوگی کسی ایسے شخص پر جو کہتا ہو اللہ اللہ۔

محترم حضرات! آپ اندازہ فرمائیں کہ جب تک اللہ کے نام پر کٹ مرنے والے یادِ خداوندی کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی نشر و اشاعت کرنے والے دنیا میں موجود ہیں۔ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، جب دنیا میں کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہ ہوگا تو اس وقت دنیا تباہ و برباد کرنے کے قابل ہوگی۔

اللہ اللہ کرنے کی توفیق اسی کو ہوتی ہے جو رزقِ حلال کماتا اور کھاتا ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے میں دل نہیں لگتا۔ ذکر کرنے کو دل نہیں چاہتا، طبیعت رغبت نہیں کرتی۔ تو میں انہیں کہا کرتا ہوں کہ تم نے حرام مال کھانا ہوگا حرام کھانے کا اثر یہ ہے کہ اوّل تو نیکی کی توفیق نہیں ہوتی اور اگر انسان یادِ الٰہی کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے تو اس کی طبیعت لگتی نہیں۔ وہ نمازیں جلدی جلدی پڑھتا ہے۔ اس کو نمازوں اور ذکرِ الٰہی میں لطف و سرور حاصل نہیں ہوتا۔ آپ یاد رکھیں کہ نیکی کی توفیق کا نہ ہونا، یادِ خدا میں، دل نہ لگنا اور بُرائی کی طرف رغبت ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کو حلال روزی میسّر نہیں آتی اگر حلال روزی میسّر آئے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ عبادت میں دل نہ لگے۔

حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حرام مال سے پلا ہُوا گوشت جنت میں نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو حرام سے اتنی نفرت ہے کہ حرام کھانے والے کو اس کی یاد کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

بزرگانِ دین اور صوفیائے عظام کی صحبت میں انسان آئے تو وہ اس کو ان تمام گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ پھر انسان حرام چیزیں تو کجا مشتبہ چیزوں کو کھانے سے بھی گریز کرتا ہے اور یادِ الٰہی میں لطف و سُرور حاصل ہوتا ہے۔ اللہ والے وہ ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔ اللہ والے انسان کو یادِ الٰہی کے طریقے سکھلاتے ہیں۔ اور کثرتِ ذکر کی وجہ سے انسان شیطان کے پنجے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور پھر ہر جگہ ذکرِ الٰہی کے پہرے بیٹھ جاتے ہیں۔ دل کی طرف سے اگر شیطان آئے تو لطیفہ قلبی سے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اگر نفس کی طرف سے شیطان حملہ کرے تو لطیفہ نفسی سے اس کا وار روکا جاتا ہے اور اگر دماغ (پیشانی) کی طرف سے کوشش کرے تو لطیفۂ اخفیٰ اور خفی سے اس کے وار کو بچا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ انسان کثرتِ ذکر سے شیطان کے ہر وار سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والوں کی تعلیم ایسی ہوتی ہے کہ ان کا سارا وقت چوبیس گھنٹے، ہر منٹ ہر سیکنڈ یادِ خداوندی میں گذرتا ہے، اگر انسان ہر کام سے پہلے یہ سوچ لے کہ اس میں اللہ راضی ہے یا شیطان اور جس کام میں اللہ راضی ہو وہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کام کو چھوڑ دے تو اس کا تمام وقت عبادت بن جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان نماز میں اطمینان حاصل کرنے کے لیے پیشاب و پاخانہ سے فارغ ہوتا ہے۔ حج کرنے کی غرض سے روپیہ کماتا اور جمع کرتا ہے رمضان کے دنوں میں روزہ افطار کرنے کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ سارے کام اس کے عبادت بن جاتے ہیں۔ صرف شرط یہ ہے کہ انسان ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرے۔ کہ میں یہ کام فقط اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے کر رہا ہوں۔ لوگوں کو دکھانے یا نمائش و نمود کے لیے بالکل نہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے آپ جو کچھ بھی خرچ کریں گے اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا چڑھا کر قیامت کے دن دیں گے۔

اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو اُس کا بدلہ دس گنا، سو گنا اور اس سے بھی زیادہ۔ لیکن اگر کوئی گناہ کرے تو اُس کی سزا صرف اتنی ہی ہوگی۔ توبہ کرنے سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، حج کرنے سے بھی پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو توبہ اور حج کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو سرور، اطمینان، نور اور دل کو تازگی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اس کا آپ وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے اگر انسان ایک دفعہ وہاں چلا جائے تو بار بار وہاں جانے کو دل چاہتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بار بار بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ گئے اور آئے اگرچہ وسائل ناپید تھے اور وہ ہدایہ و تحائف بھی کسی مخلص ترین آدمی سے ہی شاذ و نادر وصول فرمایا کرتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۳ مرتبہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی حاضری سے مشرف ہوئے۔

حرمین شریفین میں انسان اپنے گناہوں کی معافی کے لیے روتا ہے۔ بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑاتا ہے۔ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ اقدس کے سامنے ہدیۂ درود و سلام پیش کرنے کے لیے مضطرب رہتے ہیں اور وہاں پہنچ کر دل یادِ الٰہی میں شاغل اور مستغرق ہو جاتے ہیں۔ بس ہر وقت اللہ اللہ کرنے کی دُھن لگی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ ہم سب کے گناہ معاف فرمائے اور ہمیں اپنی یاد اور اپنے گھر کی حاضری کی

خطبۂ یوم الجمعۃ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ ۲۱ ستمبر ۱۹۶۲ء

تزکیۂ نفس

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○

ترجمہ: (اللہ) وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو اس پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائض۔ تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفس، تعلیم کتاب، اور تعلیم حکمت کا تذکرہ فرمایا ہے علمائے کرام چونکہ انبیاء کے وارث ہیں۔ (اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ) اس لئے ان فرائض کی بجا آوری ان پر بھی عائد ہوتی ہے — ان چاروں فرائض میں سے جہاں تک تزکیۂ نفس کے فریضے کا تعلق ہے عوام تو عوام علمائے کرام بھی آج کل اس کی اہمیت سے غافل ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آج کی صحبت میں اپنی معروضات میں اسی سلسلے میں عرض کروں گا۔

خالقِ کون ومکاں نے انسانوں کی ترکیب تخلیقی جسم اور روح سے فرمائی ہے جسم کو نجاستوں سے پاک وصاف رکھنے یا ظاہری صفائی کو شریعتِ محمدیہ نے طہارت کا نام دیا ہے اور روح کی پاکیزگی یا باطنی صفائی یعنی امراضِ روحانی شرک، کفر، حسد، عجب وغیرہ سے شفایابی کو تزکیۂ نفس کا نام دیا ہے۔

محترم حضرات! شفا کی دو قسمیں ہیں۔ وہبی اور کسبی۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے ایک آدمی گرم کپڑا نہ ہونے کے باعث سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ اب اس سردی کو زائل کرنے کی دو صورتیں ہیں اگر وہ دھوپ میں جاکر بیٹھے گا سردی خود بخود دور ہو جائے گی اور یہی حال رسول اللہؐ کی صحبت کا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی برکت سے اور آپ کی نظر کیمیا اثر سے حسد، کبر، عجب وغیرہ تمام بیماریاں خود بخود رفع ہو جاتی تھیں اور انسان روحانی امراض سے بالکل پاک وصاف ہو جاتا تھا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کوئلے سلگائے اور انگیٹھی میں ڈال کر کمرہ بند کرکے اندر بیٹھ جائے۔ اس آگ کے سینکنے سے بھی سردی دور ہو جائے گی۔ مگر یہ طریقہ وہبی نہیں بلکہ کسبی ہے۔ چنانچہ روحانی کسبی شفا صوفیائے کرام کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ بشرطیکہ صوفی کامل ہو۔ اور طالب میں اخذ فیض کی پوری صلاحیت پائی جائے۔ اور اس میں عقیدت، ادب اور اطاعت کے تینوں تار سلامت ہوں۔

محترم حضرات!

آج تک جب کہ بے دینی، بے حیائی اور مذہب سے برگشتگی کا دور دورہ ہے اور امراض روحانی کی فراوانی دینداروں میں بھی موجود ہے۔ انتہائی ضروری ہے کہ دین سے شغف رکھنے والے لوگ معالجین روحانی کی طرف متوجہ ہوں، ان کی صحبت میں رہ کر امراض روحانی کا علاج کرائیں اور صحت یاب ہوں۔

مہلک روحانی بیماریاں

برادرانِ عزیز! جیسے بعض جسمانی بیماریاں مثلاً سِل، دق وغیرہ مہلک ہوتی ہیں اور معالج اُن کے مریض کو لاعلاج قرار دے دیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ روحانی بیماریاں بھی مہلک ہیں مثلاً شرک، کفر اور نفاقِ اعتقادی کہ ان کے مریض ہمیشہ جہنم میں رہیں گے جسمانی بیماریاں تو قبر سے ورے تک تڑپاتی ہیں۔ اور جب انسان فوت ہو جائے تو ان سے پیچھا چھوٹ جاتا ہے۔ لیکن روحانی بیماریاں قبر میں بھی ساتھ جائیں گی، قبر میں بھی تڑپائیں گی، میدانِ محشر میں بھی پیچھا نہ چھوڑیں گی اور پھر ابدالآباد تک جہنم میں تڑپاتی رہیں گی۔ جیسے شرک کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ○

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک بنائے اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

اسی طرح کفر کرنے والا بھی مشرک ہے کہ اللہ کے سوا غیر کے حکموں کو ترجیح دیتا ہے اور شرک فی الامارت کا مرتکب ہوتا ہے اور نفاق اعتقادی کا مریض بھی شرک میں مبتلا ہے کہ ظاہر تو وہ خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے مگر درون پردہ خدا کی قدرتِ کاملہ سے انکار کرکے غیروں کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہے

جاہ طلبی

فرعون کے متعلق ارشاد باری ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے معبود حقیقی کی طرف دعوت دی تو اس نے اپنے پجاریوں کو کہا مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي۔ ترجمہ: میں تمہارے لئے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا۔

یہ مرض جاہ ہی تو تھا جس نے فرعون کو خداوند قدوس کے مقابل لا کھڑا کیا۔ اور اس نے اپنا مرتبہ اللہ رب العزت سے بھی بڑھانا چاہا۔ یہی حال آج کل بعض مسلمانوں کا ہو چکا ہے کہ جھوٹے وقار اور اپنی ضد منوانے کی خاطر احکام شریعت کو پسِ پشت ڈال کر من مانی کارروائیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور نفسِ امارہ کے فریب میں آکر دینِ حق سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

نفسِ ما کمتر از فرعون نیست
لیک او را عون ما را عون نیست

عُجب کا مرض

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا۔ فرعون کا منظورِ نظر ہو گیا۔ بنی اسرائیل سے مزدوری کراتا اور فرعون کی طرف سے انہیں مزدوری دیتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اُسے اس قدر دے دیا کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت ہی اٹھا سکتی تھی۔ لیکن جب فرعون غرق ہوا اور

(باقی بر [illegible])

آمدنی کے ذرائع ختم ہو گئے اور چودھراہٹ بھی جاتی رہی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دل میں کدورت رکھنے لگا۔ منافق ہو گیا پس پشت تہمتیں تراشنے لگا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک عورت کو سکھا کر لایا کہ موسیٰ پر تہمت لگائے۔ ہیبتِ حق غالب آئی اور اس بیچاری نے اللہ سے ڈر کر سچ ہی کہا اور قارون کو منہ کی کھانی پڑی۔ اس سے قبل جب قوم قارون سے کہتی کہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تو وہ کہہ دیتا کہ یہ میرے علم کا ثمرہ ہے اللہ نے مجھے کب دیا ہے؟ یہ کہنا تھا کہ غیرتِ خداوندی جوش میں آئی اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے زمین میں غرق ہو گیا جو اس کے مال و دولت کو دیکھ کر للچا رہے تھے وہ اس کا حشر دیکھ کر پناہ مانگنے لگے۔ دراصل خدا کی دین کو اپنے کمال کا نتیجہ سمجھنا ہی عجب ہے۔ اور یہ مرض آج کل مسلمانوں میں عام ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

زر پرستی کا مرض

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے آگے اپنی نبوت کا کھلا اعلان کر دیا تو اس نے کہا۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ کہ اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں نازل کئے گئے۔ گویا کہ اُس کے آگے کوئی بات منوانے کا معیار دولت تھا۔

موجودہ مسلمانوں کے معاشرے میں زر پرستی کی وبا اتنی عام ہو گئی ہے کہ دین اور اخلاق کی کوئی وقعت ان کی نظروں میں نہیں رہی۔ دوستی، رشتہ داری اور مجلسی زندگی۔ غرضیکہ دنیا کا ہر تعلق۔ اب مال و دولت کے سائے میں پھلتا پھولتا ہے۔ حالانکہ مسلمان کا طرز عمل اس سے مختلف ہونا چاہیے تھا۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

حسد کا مرض

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

ترجمہ: بیشک حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ہابیل اور قابیل آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ دونوں نے قربانی کی، اللہ نے ہابیل کی قربانی منظور کر لی اور قابیل کی نامنظور کر دی۔ قابیل نے حسد کیا ہابیل کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت تک جس قدر قتل ہوں گے۔ ان کا عذاب قاتل کے علاوہ قابیل کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائیگا۔ حاسد درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کا منکر ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ دوسرے سے نعمت چھین کر اُسے مل جائے اور اس طرح چونکہ اسے اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر یقین نہیں رہتا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور اسی وقت وہیں رکھا جائے گا جب تک سزا نہ بھگت لے اور اس مرض سے پاک نہ کر دیا جائے۔

ریاء کا مرض

رسول برحق نے فرمایا ہے کہ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِی الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ

ترجمہ: تحقیق زیادہ خوف دلانے والی چیز جس کا میں اپنی امت پر خوف کرتا ہوں "دکھلاوا" ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی خوشنودی کے لئے کام کیا جائے۔

یہ مرض عام مسلمانوں میں پایا جاتا ہے بلکہ شیطان لعین تو عوام و خواص ہر ایک کے دل میں دکھلاوے کا خیال ضرور لاتا ہے۔ صرف اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر اس مرض سے بچنے کی تدابیر ہاتھ لگتی ہیں ورنہ کتابیں پڑھنے سے یہ مرض نہیں جاتا اور نہ کوئی بزرگوں کی صحبت اٹھائے بغیر اس سے بچ سکتا ہے۔

علمائے کرام قرآن حکیم اور حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم رکھنے کے باعث ان بیماریوں کی نشاندہی تو کر دیتے ہیں اور ان کی تفاصیل سے بھی عوام کو آگاہ کر دیتے ہیں لیکن کیا یہ بیماریاں چلی جاتی ہیں؟ اور ان کا علاج ہو جاتا ہے؟ مشاہدہ یہی کہتا ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ لڑائی فساد، حسد، کینہ، ریاء، بغض، جاہ طلبی، زر پرستی اور عجب وغیرہ کی بیماریاں جیسے جاہلوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس سے کہیں بڑھ کر علماء میں موجود ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عوام کے بے دین ہونے کا سب سے بڑا سبب علماء حضرات کا بے عمل ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر اصلاح حال کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا تزکیۂ نفس ہو جائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

بقیہ ـ مجلس ذکر

نعمت سے بار بار نوازے۔ آمین۔

حضرات! یادِ الٰہی اور نماز میں خضوع و خشوع سے اب بھی سرور و لطف اور چین نصیب ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ نیت میں اخلاص اور آئینہ دل صاف و شفاف ہو۔

اگر انسان اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے تو دل ہر وقت یادِ الٰہی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ چلتے پھرتے لطیفہ قلبی حرکت میں رہتا ہے اور پاس انفاس کا اس درجہ اہتمام ہو جاتا ہے کہ سوتے میں بھی ذکر الٰہی سے دل جاری رہتا ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ذوق و شوق عطا فرمایا ہے وہ بڑھ چڑھ کر یادِ الٰہی میں سے حصۂ وافر حاصل کرنے کی دھن میں مگن رہتے ہیں اور اونچے مقامات حاصل کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان کامل پر ہو۔

حضرات! ہر انسان خطرے میں ہے کہ جب تک وہ قبر میں نہ جا سوئے۔ اس دور میں ایمان کو صحیح و سلامت لے جانا بہت ہی مشکل ہے۔ انسان کو نیکی پر غرور و کبر اور گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے۔ یہ سب اللہ کی دین ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ انسان اللہ اللہ کرنے کے باوجود شیطان کے حملوں سے محفوظ نہ رہ سکے اور امراض روحانی اور معاصی میں مبتلا ہو کر ایمان کھو بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ مشتبہ اور حرام مال سے حد درجہ پرہیز کرتے تھے۔ کبھی بے نماز کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ لغو، بیہودہ، اور غلط قسم کی سوسائٹی سے خود بھی بچتے تھے اور دوسروں کو بھی بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ اگر ہم بھی حضرت اقدس کے نقش قدم پر چل کر کامیاب زندگی گزاریں تو یقیناً کامیاب ہو سکتے ہیں اللہ عزوجل ہمیں اس کی توفیق ارزانی فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے کئی نیک بندے یہاں ذکر الٰہی کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی اللہ کے نیک بندے کی وجہ سے ہمارا ذکر بھی قبول ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ ہم کو یہاں آنے کی توفیق دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے گناہوں کو یاد کر کے سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی حفاظت میں رکھے آمین۔

چودھری محمد یوسف (ایم اے)

ایک مفسر قرآن — ایک ولیٔ زماں

(۴)

ایسے لوگوں کی خوش نصیبی اور نیک بختی کے وارے نیارے جاہئیں جنہیں کسی مردِ مومن کی نگاہِ کامل نے سرفرازی اور سربلندی سے ہمکنار کر دیا ہو۔ یقیناً ایسے لوگ معدودے چند ہوا کرتے ہیں۔ میری دانست میں حضرت شیخ التفسیر اس لحاظ سے بھی انتہائی خوش قسمت واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی نظرِ عنایت اور نگاہِ کرم نے آپ کے جسم و جان اور قلب و جگر میں ذہنی انقلاب کی ایک لازوال تڑپ پیدا کر دی۔ یہی وہ تڑپ، بے چینی اور بے قراری تھی جس نے بعد ازاں آپ کو ملک کے اندر ایک ذہنی اور روحانی انقلاب برپا کرنے میں مدد و اعانت دی۔ موقع کی مناسبت سے حکیم الامت کا یہ شعر کس قدر موزوں، مناسب اور برمحل معلوم ہوتا ہے ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اس موقع پر حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کا ذکرِ خیر بے محل نہ ہوگا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ذکرِ خیر ان سطور میں آجائے تاکہ قارئین پر آپ کے اور شیخ التفسیر کے ذہنی اور روحانی رشتوں کی حقیقت و اہمیت واضح ہو جائے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی سیالکوٹ کے ایک معزز سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ ماں کے بطن میں ہی تھے کہ باپ چل بسا۔ اس طرح آپ باپ کی پدرانہ شفقت سے ازلی طور پر محروم کر دیئے گئے۔ دو سال کی عمر کو پہنچے تو دادا بھی راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔ اب ننھیال والوں نے آپ کی نگہداشت اور پرداخت کی طرف اپنی تمام تر توجہات مرکوز کر دیں۔ چھ سال کی چھوٹی سی عمر میں آپ کو ایک مقامی سکول میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں آپ پورے انہاک کے ساتھ حصولِ تعلیم میں مصروف اور محو و مگن ہوئے اور طلباء میں راست بازی اور حق گوئی جیسی انمول اور نایاب نعمت کی بدولت ایک امتیازی مقام حاصل کرنے میں کامیاب و کامران ہو گئے۔ انہی ایام میں آپ کے سینے کے اندھیاروں میں نورِ ہدایت کا عکس ریز ہوا۔ اور فطرت آپ کو نوائے صبحگاہی پر مجبور کرنے لگی۔ پھر کیا تھا، حجاب اٹھتے جا رہے تھے نقاب کھلتے جا رہے تھے، اور آپ بہت جلد ہی دولتِ اسلام سے مالا مال ہو گئے۔

ہوا یوں کہ آپ کو اپنے ہم مکتبوں کی وساطت سے چند ایک ایسی دینی کتب ہاتھ آگئیں، جن کے مطالعہ نے آپ کے دل و دماغ میں غور و فکر اور طلب و جستجو کی ایک میٹھی سی چبھن پیدا کر دی۔ وقائع نگار یوں تو بہت سی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں مولانا عبید اللہ پائلی کی کتاب "تحفۃ الہند" یہی وہ کتاب تھی جس کے مطالعہ نے آپ کے ذہن اور دماغ کی وسعتوں میں سمائے ہوئے کفر و شرک کو لتاڑ دیا۔ اور نور اسلام کا ایک زمزم رو چشمہ ابلنے لگا جس کے میٹھے میٹھے دل سوز مگر تند و تیز بہاؤ نے کفر کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ اب دل تو مسلمان ہو چکا تھا، لیکن زبان کو یارا نہ تھا۔ کہ وہ دلی جذبات کی ترجمانی برملا کر سکے کیونکہ اس راہ میں ماں کی محبت اور بہنوں کی شفقت کا ایک حسین جال بچھا ہوا تھا۔ کچھ دیر تو یہ دبی سی آگ کی چنگاریاں دل کے اندر ہی دب کر رہ گئیں۔ لیکن بالآخر شعلۂ جوالہ بن کر تمام جسم و جان کو خاکستر کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ صداقتِ اسلام اور نورِ ہدایت نے باہم سازش کر کے آپ کے ہوش و خرد اور قلب و نظر کو اسیر کر لیا۔

شام کا آنچل گر چکا تھا۔ نہیں نہیں فطرتِ لالہ فام کا آنچل گر چکا تھا۔ رات تاریک ہو رہی تھی، آسمان کے سینے پر دوڑتے ہوئے ستاروں کا ہجوم اپنی منزل کی جانب کشاں کشاں بڑھ رہا تھا، کائنات کو اونگھ آ رہی تھی، کہ اتنے میں مولانا کے ذوق وجدان نے آپ کو بیدار کر دیا آپ نے ماں کی مامتا اور بہنوں کی محبت کو آخری سلام کہا اور تلاشِ حق کی خاطر جادہ پیما ہوئے۔ ضلع مظفر گڑھ کے ایک سید کے ہاں جا فروکش ہوئے، یہیں آپ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور بوٹا سنگھ کی بجائے عبید اللہ کے نام نامی اور اسم گرامی سے موسوم ہونے لگے۔ لیکن یہاں بھی ماں اور بہنوں کی محبت نے چین نہ لینے دیا۔ چنانچہ آپ سندھ کی جانب چلے گئے، جہاں حضرت مولانا حافظ محمد صدیق صاحب کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ حافظ صاحب اپنے دور کے جنید و بایزید تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ کو یہاں چند ماہ کا قیام نصیب ہوا، تاہم اس مختصر سی صحبت نے آپ کو معاشرت اسلامی کی حقیقتوں سے بہرہ ور کر دیا۔ مولانا حافظ صاحب کی ذات والا صفات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ نے حافظ جی کو اپنا دینی باپ اور روحانی پیشوا تسلیم کر لیا۔ تسلیم و رضا کے اس جوہر نے آپ کو وہ کچھ دے دیا۔ جس کا بڑے بڑے شہنشاہوں کے خزینوں میں بھی دستیاب ہونا ممکن نہیں۔ چنانچہ آپ نے حافظ جی کی قیادت میں تصوف و طریقت اور سلوک و معرفت کے ابتدائی مراحل طے کر لیے۔ اسی طرح عربی کی چند ابتدائی کتابوں کے مطالعہ سے اپنے ذوق و شوق کو تسکین دیتے رہے۔

تقریباً سولہ سال کی عمر میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا۔ یہاں آپ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی شفقت نے سہارا دیا۔ آپ کی ملتفت نگاہوں نے اس نو مسلم نوجوان کی پوشیدہ عظمت کو بھانپ لیا اور اپنی نوازش و عنایات سے آپ کو سربلند فرما دیا۔ مولانا ایسے ہی بزرگوں کی عنایات کے زیر سایہ تمام علوم اسلامی ازبر کر لئے علم و ہنر کا ایک دریا تھا۔ جو اپنی موجوں میں بہے جا رہا تھا۔ رسولِ گرامی کی ذاتِ بلند مرتبت سے آپ کو ایک خاص کھچاؤ، ایک خاص لگاؤ اور ایک خاص اٹکاؤ تھا۔ اسی جذب و کشش کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ خواب میں رسولِ انامؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

دیوبند سے علوم اسلامی کی دولت بے بہا سے مالا مال ہو کر مراجعت فرمائے سندھ ہوئے۔ یہاں آپ قطب الاقطاب حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی کے حلقۂ ارادت میں آگئے۔ امروٹ میں مطبع قائم کیا، جسے دو سال تک بطریق احسن چلاتے رہے۔ ۱۹۰۱ء میں حضرت مولانا راشد اللہ صاحب نے آپ کی خاطر مدرسہ دار الرشاد قائم کیا، جہاں آپ سات سال کی طویل مدت تک خدمتِ دین سرانجام دیتے رہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ یہی وہ بابرکت مدرسہ ہے جس کے انوار و برکات کی بدولت آپ کو سید المرسلین کی زیارت کا موقع ہاتھ آیا۔ امام مالکؒ بھی اسی مدرسہ میں آپ سے خواب کی دنیا میں ملاقی ہوئے۔ اس مدرسہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اسی مدرسہ نے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب کو ابتدائی تعلیم

کی مراعات سے بہرہ ور کر دیا۔

۱۹۰۹ء میں آپ کی زندگی نے ایک لطیف سی انقلابی کروٹ لی۔ حضرت شیخ الہند کی دعوت پر آپ نے دیوبند میں جمعیت الانصار کا وجود قائم کیا۔ جو بعد میں جمعیۃ العلماء ہند کے نام سے مشہور و معروف ہوئی۔ یہی وہ زمانہ ہے جس نے آپ کے ذہن میں ایک ہنگامہ سا بپا کر دیا۔ یعنی سکون نا آشنا زندگی سے ہمکنار کر دیا آپ چوب کلیم لے کر دانش فرنگ کو للکارنے لگے۔ کیونکہ اس کے بغیر گذر ممکن نہیں ؎

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر قدیم
گذر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلیم

مولانا کی انقلابی سرگرمیوں کو دیکھ کر ایوان شاہی کی جبیں عرق آلود ہو گئی۔ چنانچہ فرنگی شعور حرکت میں آیا اور آپ کے لیے دیوبند میں تادیر رہنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ آپ کو ۱۹۱۵ء میں اپنے پیر شیخ حضرت مولانا سید تاج محمودؒ امروٹیؒ کے ایما پر کابل جانا پڑا۔ پھر روس، ٹرکی اور مکہ معظمہ کی جلالت مآب سرزمین تک اپنے انقلابی افکار کا ایک سیلاب بہا دیا۔ آپ کے ہونٹوں پر تادم آخر یہی نغمہ خیال انگیز وجد آفریں رہا، یہاں تک کہ موت بھی ان سے اُن کا یہ حق چھین نہ سکی۔

یہ ہیں مولانا عبید اللہ سندھی جن کا ذکر انتہائی ایجاز و اختصار سے کر دیا گیا ہے تاکہ قارئین کے اذہان اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہو جائیں۔ کہ مولانا احمد علی صاحب کو شیخ التفسیر کا خطاب عطا کرنے میں حضرت مولانا سندھی کی عنایات کا کس حد تک عمل دخل ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ مولانا سندھی مولانا احمد علی مرحوم و مغفور کے سچے سرپرست ہیں یہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے جس نے حضرت مولانا احمد علی مرحوم کو گوجرانوالہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے اٹھا کر سندھ کی سرزمین کے حوالے کر دیا۔ یہاں آپ اپنی خداداد استعداد و قابلیت کے مطابق اپنے استاد کی راہنمائی میں ترقی و ارتقاء کی جانب قدم بڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ مولانا سندھی کے حقیقی جانشین ہو گئے۔

"۱۹۱۲ء میں آپ مولانا سندھی کے ہمراہ دہلی آ گئے اور ان کے خصوصی درس نظارت المعارف القرآنیہ میں شرکت کی اور مولانا سندھی کے کابل تشریف لے جانے پر ان کی نیابت کی، مولانا سندھی نے آپ کو سند خصوصی اور سند نیابت عطا کی اور عہد لیا کہ زندگی بھر کلام اللہ کی تدریس کو جاری رکھیں گے۔"

اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت شیخ التفسیر تا حین حیات اس وعدہ کو نبھاتے رہے جو اپنے شیخ حضرت مولانا سید تاج محمودؒ امروٹیؒ کے رُو برو کر چکے تھے۔ اسی وعدہ کی تکمیل میں آپ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ بھی وقف کر دیا مہیب قسم کے مصائب و آلام سے بھی دوچار ہوئے۔ لیکن اپنے وعدہ کی آبرو کو محفوظ رکھنے میں آپ کے پائے استقلال میں کبھی اور ہرگز کبھی لغزش نہ آئی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ اپنے پیر کے سچے مرید ہیں صرف نام کے مرید نہیں بلکہ پیر کے رنگ میں رنگے ہوئے مرید ہیں۔

ماسٹر عبدالرحمٰن لدھیانوی شیخوپورہ

رحمتِ دو عالم افضل الانبیاء ہیں

ملخص از تقریر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

اہلِ اسلام کا یہ مسلّم عقیدہ ہے کہ نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین سے افضل و بہتر ہیں اس لئے آپ کی کتاب یعنی قرآن کریم ان تمام کتابوں اور صحیفوں سے افضل ہے جو انبیائے سابقین پر اتاری گئیں۔ علیٰ ہذا آپ کا دین اور آپ کی شریعت غرّہ تمام شرائع اور ادیان سے اکمل اور آپ کے معجزات اور دلائل نبوت اور آیات رسالت تمام انبیاء و مرسلین کے معجزات سے اکثر و بیشتر اور خود آپ کی ذات ستودہ صفات تمام اولین و آخرین سے زائد اتقیٰ اور اعلم اور مکارمِ اخلاق اور محاسن شیم میں سب سے زائد اکمل اور اتم اور فقر و درویشی میں بے نظیر اور زہد و ورع میں بے مثل اور یکتائے عالم ہے۔

قرآن کا لاثانی ہونا

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آپ کی کتاب یعنی قرآن کریم کا تمام کتبِ الٰہیہ اور صحفِ سماویہ سے افضل اور بہتر ہونا بالکل ظاہر اور باہر ہے، قرآنِ کریم نے جس شرح و بسط سے علمِ ذات و صفات اور علم شرائع اور احکام اور علمِ اخلاق اور علومِ برزخ اور علوم آخرت اور علومِ مبداء و معاد اور علومِ معاشرت اور علومِ تجارت کو بیان کیا ہے کوئی کتاب اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ اگر کسی کو اس میں شک ہے تو ایسی کتاب لا دکھائے جو علوم کو حاوی اور جامع ہو۔ اور نہ قرآن کی طرح کوئی کتاب ایسی فصیح و بلیغ ہے کہ تمام عالم اس کا مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہو اور نہ قرآن کی طرح کوئی کتاب ایسی محفوظ ہے کہ جس میں آج تک ایک نقطہ اور ایک شوشہ کا بھی تغیر اور تبدل نہ ہوا ہو اور نہ قرآن کریم کی طرح دنیا میں کوئی ایسی کتاب ہے کہ چار دانگِ عالم میں جس کے ہزاروں اور لاکھوں حافظ موجود ہوں۔ یہودی، عیسائی اور ہندو ساری دنیا میں سے تورات، انجیل اور وید کا کہیں ایک ہی کچا پکا حافظ دکھلا دیں تو جانیں۔

آپ کی شریعت کا بے نظیر ہونا

آپ کی شریعت غرّا اور آپ کا دین ایسا کامل اور مکمل کہ اس کے اسرار اور حِکَم اور حقائق کی کوئی حد نہیں جب اس کے کسی حُکم میں غور کیا جاتا ہے تو وہ بے شمار فوائد اور منافع اور اسرار و حِکَم پر مبنی نظر آتا ہے۔ علمائے اسلام نے جہاں اور نئی نئی قسم کے علوم ایجاد فرمائے وہاں اسرارِ شریعت کا بھی ایک علم ایجاد فرمایا اس علم میں علمائے اسلام نے شریعت محمدیہ کے حُکم کا عقل سلیم اور فہم مستقیم کے مطابق ہونا اور ہر مسئلہ کا بے شمار اسرار و حِکَم پر مبنی ہونا ثابت کیا۔ جس شخص کو اس کی تحقیق اور تصدیق مقصود ہو وہ فتوحاتِ مکیہ احیاء العلوم اور حجۃ اللہ البالغہ، حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ قدس اللہ اسرارہم کی تصانیف کا مطالعہ کرے۔

یہ علم حق جل شانہٗ کی طرف سے صرف اُمّت محمدیہ کو عطا ہُوا کسی امت میں اس علم کا نام و نشان ہی نہیں فقط یہی نہیں کہ قلیل وکثیر کا فرق ہو کہ اور امتوں میں یہ علم قلیل ہو اور اُمّت محمدیہ میں کثیر، بلکہ دوسری اُمّتیں اس علم کے نام ہی سے آشنا ہیں۔

مختصر یہ کہ شریعتِ محمدیہ نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی کہ جس کا حکم نہ دیا ہو اور کوئی شر اور امر قبیح، کوئی فحشا اور منکر ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کی ممانعت نہ کی ہو۔ شریعت محمدیہ نے حق جل شانہٗ کے بارہ میں ایسے صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک عقائد کی تعلیم دی کہ بارگاہِ ذوالجلال والاکرام کے شان کے شایان اور ان تمام نقائص سے تزکیہ و تقدس کا حکم دیا کہ شان الوہیت کے منافی اور مبائن (خلاف) ہوں اور علیٰ ہذا انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہٗ علیہم اجمعین کے آداب اور ان کے عصمت مآب اور قدسی صفات اور ملکی سمات کے اعتقاد رکھنے کی تلقین فرمائی اور اُن تمام رذائل و نقائص سے جو منصب نبوت و رسالت کے مناسب ہوں انبیائے کرام کی تصدیق و تنزیہ کو خوب واضح اور روشن کرکے بتلایا اور بارگاہِ خداوندی میں خشوع و خضوع، رکوع و سجود اور سوال مغفرت و رحمت اور توبہ و انابت کے وہ طریقے بتلائے کہ جن کا نہ کسی آسمانی کتاب میں پتہ ہے اور نہ زمینی کتاب میں

شریعت محمدیہ نے مکارم اخلاق کی ایسی

قطب الارشاد حضرت رائپوری قدس سرہ العزیز

محمود احمد صاحب عارف، خازن جامعہ مدنیہ لاہور

ہادیِ راہِ ہدیٰ حضرتِ عبدالقادر — جانِ اربابِ وفا حضرت عبدالقادر

عشقِ مولا میں فنا حضرت عبدالقادر — مظہرِ لطفِ خدا حضرت عبدالقادر

تابعِ فخرِ رسلؐ پیکرِ تسلیم و رضا — جامعِ صدق و صفا حضرت عبدالقادر

آج کے دَور کے تھے ثانی عبدالقادر — آہ وہ مردِ خدا حضرت عبدالقادر

قطبِ تکوین بھی تھے صاحبِ ارشاد بھی تھے — معدنِ لطف و عطا حضرت عبدالقادر

علم و حکمت کا تو اک مہرِ جہاں تاب تھے وہ — منبعِ رشد و ہدیٰ حضرت عبدالقادر

مُصلحِ قوم وہ یکتائے زماں تھے عارفؔ — مخزنِ جود و سخا حضرت عبدالقادر

تکمیل کی کہ کوئی ظاہری اور باطنی خُلق حسن اور خصلت محمودہ ایسی نہ چھوڑی کہ جس کی پوری تاکید نہ کی ہو جیسے علم، صبر، رضا و سلیم طبع زہد و قناعت، اخلاق اور توکل، حُبِ الٰہی اور اشتیاق لقائے خداوندی، ذکر اور شکر، فقراء اور مساکین کے ساتھ احسان اور مواخاۃ، ارباب دنیا سے پرہیز، اکابر (بڑوں) کی توقیر و تکریم اور اصاغر (چھوٹوں) پر شفقت اور ترحم۔ علیٰ ہذا بُرے اخلاق میں سے کوئی ظاہری اور باطنی خُلق رذیل ایسا نہ چھوڑا کہ جس کے ترک کی تاکید اور اس کے کرنے پر دھمکی نہ دی ہو، جیسے کبر، حسد، حبِ مال اور حُبِ جاہ۔

بغض و حسد، جھوٹ چغل خوری اور تمسخر، تکبر، خود پسندی اور دوسروں کی تحقیر و تذلیل، لوگوں کے عیوب کی تلاش وغیرہ وغیرہ۔ قرآن اور حدیث نے جس شدت سے ان بُرے اخلاق سے بچنے کی تاکید کی اور جس تفصیل سے ان باطنی امراض کا علاج بتایا ہے کوئی شریعت اور کوئی ملت اس کی نظیر تو کیا عشرِ عشیر بھی نہیں پیش کر سکتی اور علیٰ ہذا شریعت محمدیہ نے معاشرت یعنی نکاح و طلاق، خُلع اور لعان اور حقوق زوجین اور معاملات و معاہدات کے وہ قواعد کلیۃ اور احکام جزئیۃ بتلائے کہ جن سے آج دنیا کے ازکیا (عقلمند) حکما، ماہرین سیاست اور اربابِ دُوَل مستفید ہو رہے ہیں اور اُن کے پاس اس سے بہتر کوئی شریعت موجود تھی تو اس سے فائدہ اٹھاتے۔ شریعت محمدیہ سے فائدہ طلب کرنے اور شریعتِ اسلامیہ کے دسترخوان سے خوشہ چینی کی کیا ضرورت تھی۔

انصاف تو یہ ہے کہ اگر ہزار سال کی تعلیم کے بعد بھی کوئی شخص ایسی شریعت پیش کرے تو وہ اس کے نبی مُرسل اور تمام عالم میں اس کے افضل اور اکمل ہونے کی روشن دلیل سمجھی جائے۔ پھر جائیکہ ایک شخص کہ جس نے نہ کبھی پڑھا اور نہ لکھا اور نہ کبھی علماء کی صحبت اس کو نصیب ہوئی وہ ایسی کامل اور مکمل شریعت پیش کرے جس کے سامنے تمام عقلائے عالم دنگ اور حیران ہوں۔ صاف طور پر اس کے رسول اعظم اور سرور عالم ہونے کی آفتاب سے بھی زیادہ روشن دلیل ہے۔

آنحضرتؐ کا سب سے زیادہ عالم ہونا

اور آنحضرتؐ کا تمام اولین و آخرین سے بڑھ کر عالم ہونا تو آپ کی شریعت کاملہ و جامعہ احادیث طیبہ اور جوامع کلم اور احادیث قدسیہ سے واضح ہے نیز تمام عقلا شاگردوں کے احوال سے، استاد کے علم و فضل اور کمال کا پتہ چلا لیتے ہیں۔ شاگردوں سے جس قسم کا کمال ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں اس سے استاد اور معلم کے کمال کا سراغ لگا لیتے ہیں۔

اسی طرح محمد رسول اللہؐ کا ایک ایسی جاہل قوم کو جو ہر قسم کی جہالت اور گمراہی میں گھری ہوئی تھی تعلیم دے کر ظلم اور تعدی کو عدل و انصاف سے اور ان کی سختی کو بردباری سے اور ان کی جہالت کو علم اور معرفت سے اور ان کے باہمی بغض اور عداوت کو محبت اور الفت سے اور ان کی شقاوت (بدبختی) اور گمراہی کو نیکی اور ہدایت سے، اور اُن کے عصیان (نافرمانبرداری) کو طاعت سے اور ان کے تفرقہ کو اجتماع سے، ضُعف کو قوت سے خیانت کو امانت سے اور فحش و بے حیائی کو عزت و پاکدامنی سے، بُری باتوں کو اچھی باتوں سے بدل دینا اور علوم الٰہیات، علوم نبوت، علوم معاش اور معاد، علوم اخلاق، علوم عبادت، علوم معاشرت، علومِ معاملات اور علوم سیاسیات ملکیہ اور مدنیہ میں رشک افلاطون اور استاد حکماء عالم بنا دینا کیا یہ آنحضرتؐ کے کمال علم و معرفت کی روشن اور کھلی ہوئی دلیل نہیں۔

تصانیف امت محمدیہ کا سب سے افضل ہونا

اعتبار نہ ہو تو علمائے اسلام کی تصانیف کا تمام دنیا کے علماء مذہب کی تصانیف سے مقابلہ و موازنہ کر لیں اور خوب کر لیں وہ حقائق اور دقائق جو علمائے اسلام کی تصانیف میں دریا کی طرح بہ رہے ہیں ان کا ایک قطرہ بھی دیگر علمائے مذہب کی تصانیف میں تا قیام قیامت انشاء اللہ العزیز ہرگز ہرگز نہ مل سکے گا۔

اُمتِ محمدیہ میں اس قسم کے علوم و معارف، اسرار و لطائف، انوار و برکات، خوارق و کرامات کا موجود رہنا یہ اس امر کی بیّن اور روشن دلیل ہے کہ ہنوز آپ کی نبوت باقی ہے اور آپ کی شریعت ابدی و دائمی ہے اس لیے کہ یہ سب کچھ آپ ہی کی نبوت کی تصدیق کی برکت ہے اور آپ ہی کی شریعت کے اتباع کا ثمرہ ہے اگر شریعت موسویہ یا شریعت عیسویہ ابدی ہے تو پھر بتلائیں کہ یہود و نصاریٰ کیوں ان علوم و معارف اور انوار و کرامات سے یکسر محروم اور تہی دست ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ کی شریعت تحریف و تبدیل سے بالکل پاک ہے اس لیے کہ شریعت کا اتباع موجبِ خیر و برکت ہیں ہو سکتا ہے بلکہ وہ موجب لعنت و نقمت ہے۔

پس جس نبی کی اُمت کے علوم و معارف کا یہ حال ہے تو اندازہ کر لو کہ خود اس نبی کے علوم و معارف کا کیا حال ہوگا۔ اُمت تو اپنے نبی کے اجمالی علوم کی شرح اور تفصیل ہے۔ پونے چودہ سو برس گذر گئے کہ امتِ محمدیہ کے علماء اپنے نبیؐ کے علوم کی شرح اور اسی کی تفصیل اور توضیح میں لگے ہوئے ہیں مگر ہنوز شرح ناتمام ہے دنیا کی تمام قومیں اور ساری اُمتیں مل کر یہ چاہیں کہ اپنے مذہب میں ابوحنیفہؒ اور مالکؒ جیسا فقیہ اور مجتہد اور بخاری و مسلم جیسا حافظ اور حسن بصری اور معروف کرخی جیسا عابد اور زاہد اور ابوالحسن اشعری اور غزالیؒ و رازی جیسا متکلم دکھلا سکیں تو ناممکن ہے اور محال ہے اور اگر ہے تو دکھلائیں اور بتلائیں، خدا کی قسم تم نہیں دکھلا سکتے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس کو ابونعیم نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الواح تورات عطا کیں تو اس میں امت کے اوصاف و احوال کا ذکر پایا تو حضرت موسیٰ نے بارگاہِ خداوندی میں یہ عرض کیا، اے پروردگار الواح تورات میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جن کو اگلا اور پچھلا علم عطا ہوگا اور اس امت کے لوگ اربابِ ضلالت اور مسیح دجال کو قتل کریں گے اس امت کو میری امت بنا دے۔ فرمایا کہ یہ امت تو محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ ہی کی امت ہے کہ جس کو اللہ نے اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا اور علم و معرفت کے خزائن اس پر کھول دیئے اور علم اسناد علم انساب، علم اعراب اور علم تصنیف کتاب اس کو عطا فرمایا اور اس امت کے علماء کو مثل انبیائے بنی اسرائیل کے بنایا۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ثقہ کا ثقہ سے نقل کرنا اور اسی طرح مسند متصل اور طریق مسلسل کے ساتھ آنحضرتؐ تک پہنچا دینا۔ اس نعمت عظمیٰ کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ نے صرف مسلمانوں ہی کو سرفراز فرمایا ہے۔

دنیا میں کوئی شخص اپنے پیشوا اپنے مقتدا کا ایک کلمہ بھی حدثنا فلان عن فلان یعنی سند کے ساتھ پیش نہیں کرتا اقوام عالم اپنے پیغمبر یا مقتداء کے اقوال و افعال کی سندیں تو کہاں پیش کر سکتی ہیں ان کے پاس تو اس

کتاب کی کوئی سند نہیں جس کو وہ صحیفۂ آسمانی سمجھتے ہیں قاضی ابوبکر ابن العربی شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ تصنیف و تحقیق، تفریع و تدقیق (جہاں میں) کوئی امت امت محمدیہ کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتی اور آپ کے تقویٰ اور خشیت الٰہی کا مفصل حال معلوم کرنا ہو تو کتب سیر کا مطالعہ کریں۔ اس وقت صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں جس سے ناظرین آپ کے تقویٰ و خشیت الٰہی کا کچھ اندازہ کر سکیں۔ مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو نماز پڑھتے دیکھا کہ گریہ و بکا کی وجہ سے آپ کے سینہ مبارک میں سے ایک چکی کی سی آواز آتی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے اندر ایک ایسی آواز آتی تھی جیسے ہانڈی کو جوش آ رہا ہو۔

تسخیر اخلاق

اور مکارم اخلاق اور محاسن شیم کا یہ عالم تھا کہ عرب کے گردن کش اور جفاکش آپ کے ایسے مسخر اور گرویدہ بنے کہ جہاں آپ کا پسینہ گرتا تھا اپنا خون گرانے کو تیار تھے یہ نہیں کہ ایک دو روز کا جوش اور ولولہ تھا کہ ختم ہوا ساری عمر اسی طرح گذار دی آپ کی محبت میں زن اور فرزند خویش اور اقارب، مال و دولت، گھر اور وطن سب ہی چھوڑا۔ اور آپ کے عشق میں ساری دنیا کی جنگ مول لی اپنوں کو بیگانہ بنایا پھر آپ کے مقابلہ میں جو شخص بھی آیا بے دریغ اس پر تلوار چلائی اس بات کا لحاظ نہ کیا کہ یہ میرا باپ ہے یا بیٹا۔ یہ تسخیر اخلاق نہ تھی تو کیا تھی؟ ابتدائے آفرینش عالم سے اب تک کوئی اُمت ایسی دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی کہ جس نے اپنے نبی اور رسولؐ کے ساتھ اس درجہ جاں نثاری کی ہو، واللہ یہ عشق بھی معجزہ ہے ایسا عشق نہ کہیں سُنا اور نہ دیکھا پھر لطف یہ کہ آپ کے عشق میں تو ایسے دیوانے اور دنیا و آخرت کے معاملہ میں ایسے چست اور چالاک اور عاقل و ہوشیار کہ دنیا آج اس کے کارناموں کو دیکھ کر حیران ہے یہ محض تسخیر اخلاق تھی نہ کسی تلوار کا زور تھا نہ کسی مال و دولت کا کوئی شخص اگر رُوئے زمین کے خزانے بھی لُٹا دے تو اس تسخیر کا عشرِ عشیر بھی اس کو حاصل ہونا ناممکن اور محال ہے

رسول پاکؐ کا زُہد

اور زہد و قناعت کا یہ حال تھا کہ دو دو مہینے کبھی گھر میں چولھا گرم نہ ہوتا صرف پانی اور کھجور پر گذر تھا جو آتا تھا وہ اسی وقت لٹا دیا جاتا تھا اپنے خادموں اور غلاموں کو تو خزائن قیصر و کسریٰ کی کنجیاں دے گئے مگر اپنے نفس قدسی صفات اور ملکی سمات کے لیے یہ ناجائز سمجھتے تھے کہ کوئی درہم و دینار آپ کے کاشانۂ مبارک میں ایک شب ہی گذار لے۔

آنحضرتؐ کے معجزات

اور علیٰ ہذا معجزات اور دلائل نبوت میں بھی آپ تمام انبیاء و مرسلین سے بڑھ کر ہیں۔ آپ کے معجزات دس بیس نہیں کہ جو شمار میں آسکیں۔ ہزاروں ہیں جن کی تفصیل کتب حدیث اور سیَر سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اور جس طرح آپ کے معجزات کمیت اور مقدار، عدد و شمار کے اعتبار سے زائد ہیں اُسی طرح کیفیت اور حقیقت کے لحاظ سے بھی آپ کے معجزات انبیائے سابقین کے معجزات سے بڑھے ہوئے ہیں مثلاً حضرت آدمؑ کو حق تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام بتلائے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا تو نبی اکرمؐ کو جوامع کلم اور مجامع حکم عطا فرمائے جوامع کلم کے یہ معنی کہ ایسے جامع کلمات کہ جو باوجود نہایت ایجاز اور غایت اختصار کے بے شمار معانی، اسرار، معارف اور حقائق کی طرف رہنمائی کرتے ہوں آپ کا ایک مختصر کلمہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ (اعمال نیت کے تابع ہیں) ایسا جامع کلمہ ہے کہ جس سے فقہاء نے صدہا مسائل مستنبط کئے ہیں۔ تجربہ اور تحقیق مقصود ہے تو علامہ ابن نجیم کی کتاب الاشباہ والنظائر کا مطالعہ کریں۔

ابن مُنیر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ملائکہ سے حضرت آدمؑ کو سجدۂ تعظیم و تحیت کرا لیا تو ملائکہ کو نبی اکرمؐ کی امت کے جھنڈے کے نیچے عسکر و لشکر بنا کر بارہا بدر اور حنین کی طرح امداد و اعانت کے لیے اُتارا اور آپ کی اُمت کے ساتھ فرشتوں نے جہاد و قتال کا کام انجام دیا۔

اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ ملائکۃ اللہ آپ کی اُمت کے احاد و افراد کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے ہیں اور بالخصوص صبح کی نماز میں قرآن سننے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝

حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ ملائکۃ اللہ تسبیح و تحمید اور تنزیہ و تقدیس تو کرتے ہیں مگر قرآن کریم کی تلاوت سے محروم ہیں تلاوت قرآن کی نعمت عظمیٰ سے حق تعالیٰ نے صرف اس امت کو سرفراز فرمایا ہے اس لیے ملائکہ کرام بہ ہزار اشتیاق قرآن سننے کے لیے صبح کی نماز میں بالخصوص حاضر ہوتے ہیں نیز حق تعالیٰ نے بھی نبی اکرمؐ کو ایک خاص شرف عطا فرمایا ہے وہ یہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ (ترجمہ) (بے شک اللہ اور فرشتے نبیؐ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں) اور فرشتوں کے درود و سلام سے جو تشریف و تکریم آپ کو عطا ہوئی وہ حضرت آدمؑ کے سجدۂ تحیت کی تشریف و تکریم سے بہت زائد اعلیٰ اور ارفع ہے اس لیے کہ اول تو اس تشریف و تکریم میں ملائکہ کے ساتھ حضرت حق جل مجدہٗ شریک نہ تھے اور بھلا اس کبیر متعال اور ذوالعزۃ والجلال سے سجود میں شرکت کیسے ممکن ہے وہی تمام خلائق کا مسجود و معبود ہے۔ بخلاف اس تشریف و تکریم کے کہ جس کا اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ میں ذکر ہے۔ اس میں ملائکہ کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ بھی شریک ہیں۔

دوم یہ سجدۂ تعظیم کی تشریف و تکریم وقتی تھی اور تشریف صلوٰۃ و سلام دائمی اور مستمر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ اگر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو گئی تو آپ کی دعا اور برکت سے بھی بہت سے صحابۂ کرام کے حق میں سلامتی والی اور ٹھنڈی ہو گئی۔

(۲) چنانچہ ابن سعد نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے عمار بن یاسرؓ کو آگ میں جلایا تو نبی اکرمؐ نے عمار بن یاسرؓ کے سر پر دست مبارک رکھ کر یہ کلمات پڑھے يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰي عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلٰي اِبْرٰهِيْمَ

اسود عنسی کے بارہ میں آپ نے بددعا فرمائی کہ اللہ اُس کے چہرہ کو قیامت کے دن سیاہ فرمائے۔

کیونکہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

اور صنعا پر غلبہ حاصل کیا تو ذویب بن کلیب صحابیؓ کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا نبی اکرمؐ پر ایمان لانے کی برکت سے آگ نے اُن پر کوئی اثر نہیں کیا۔ نبی کریمؐ نے جب

اس واقعہ کو صحابہ کے سامنے ذکر فرمایا تو حضرت عمرؓ کی زبان سے بکمال مسرت اسی وقت یہ الفاظ نکلے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ اُمَّتِنَا مِثْلَ اِبْرَاھِیْمَ الْخَلِیْلِ۔

حافظ عسقلانیؒ اس واقعہ کو اصحابہ میں لکھ کر فرماتے ہیں کہ ذویب بن کلیب نبی کریمؐ کے ہی زمانۂ مبارک میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اہلِ یمن میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے بھی یہی صحابی ہیں۔

(۳) ابونعیم نے عباد بن عبدالصمد سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت انس نے باندی کو حکم دیا کہ دسترخوان لائے، جب دسترخوان لے آئی تو فرمایا رومال لے آؤ وہ ایک میلا رومال لے کر آئی فرمایا کہ تنور سلگا لو جب تنور سلگ گیا تو رومال کو تنور میں ڈالنے کا حکم دیا۔ حسب الارشاد رومال تنور میں ڈالا گیا تھوڑی دیر کے بعد جب وہ رومال نکالا گیا تو نہایت ہی شفاف ہو کر نکلا خالص دودھ کی طرح سفید نظر آتا تھا ہم نے بطورِ تعجب پوچھا یہ کیا ہے تو حضرت انسؓ نے فرمایا کہ یہ وہ رومال ہے کہ جس سے نبی اکرمؐ منہ صاف کرتے تھے جب یہ رومال میلا ہو جاتا ہے تو ہم اسی طرح تنور میں ڈال کر اس کو صاف کر لیتے ہیں اس لیے کہ آگ ان چیزوں کو نہیں کھاتی کہ جو حضرت انبیاء کے چہرہ پر گذر جاتی ہے

(زرقانی صفحہ ۱۵۳ جلد ۵)

خود پیغمبر کو آگ کا نہ جلانا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ آگ کا اس رومال کو نہ جلانا کہ جو نبیؐ کے چہرۂ انور پر گذرا ہو۔

(۴) حضرت موسیٰؑ کا عصا اگر سانپ اور اژدہا بن کر زندہ ہو گیا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے کھجور کی سوکھی ہوئی لکڑی کا ستون زندہ ہو کر آپ کے ہجر اور فراق میں رونے لگا عصائے موسوی نے سانپ بن کر سانپوں ہی کے افعال دکھلائے مگر اس کھجور کے ستون نے اپنی اصل حالت پر رہ کر وہ افعال دکھلائے جو ذوی العقول اور اربابِ کمال سے ظاہر ہوتے ہیں اس لیے کہ کسی کی محبت میں رونا اور چلانا کمال ادراک اور شعور پر دلالت کرتا ہے۔

(۵) علیٰ ہذا پتھروں کا آپ کو سلام کرنا اور درختوں کا آپ کی اطاعت کرنا اور آپ کے حکم سے مل جانا اور علیحدہ ہو جانا اور قضائے حاجت کے وقت آپ پر سایہ کرنا یہ فقط حیات ہی پر دلالت نہیں بلکہ شعور اور ادراک اور محبت و الفت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

(۶) اور اگر حضرت موسیٰؑ کے عصا مارنے سے پتھروں سے پانی نکلتا تھا تو نبی اکرمؐ کی انگشتان مبارک سے پانی نکلتا تھا اور ظاہر ہے کہ پتھروں سے پانی نکلنا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ گوشت اور پوست سے پانی کا رواں اور جاری ہو جانا عجیب ہے جس سے صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دستِ مبارک ہی منبع فیوض اور سرچشمۂ خیر و برکات تھا۔ جتنے معجزات حضرات انبیاء سے ظاہر ہوئے آپ نے ان سے بڑھ کر ظاہر فرمائے۔ عصا کا سانپ بن کر دوڑنا اونٹ کا شکایت کرنا اور پتھروں کے چلنے سے زیادہ عجیب نہیں اور نہ پانی کا پتھر سے رواں ہونا اتنا عجیب ہے جتنا کہ ہتھیلی سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اتنا عجیب ہے۔

(۷) اور اگر موسیٰ کو حق تعالیٰ نے یدبیضا کا معجزہ عطا فرمایا تو نبی اکرمؐ کی برکت سے صحابہ کی چھڑی اندھیری رات میں روشن ہو گئی۔

خیال فرمایئے کہ موسیٰ کا دستِ مبارک اگر جیب میں ڈالنے سے منور اور روشن ہو جاتا ہے تو اول تو وہ مُرسل تھے، دوم یہ کہ اُن کے قلب منور کے قرب و جوار کا بھی اثر تھا جس طرح ارواح کے قرب سے اجسام میں حیات آجاتی ہے اسی طرح اگر قلبِ منور کے قرب سے دستِ موسوی میں نور آجائے تو کیا کچھ بعید اور دور ہے یہاں تو اُسید بن حضیر اور عبادہ بن بشر نہ تو نبی تھے اور نہ اُن کی لکڑی کو قلب سے قرب و جوار تھا فقط صحبت نبویؐ کی برکت تھی۔

سنن ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ تاریکی میں چل کر مسجد میں حاضر ہوتے ہیں اُن کے لیے ایک مکمل نور کی بشارت ہے جو قیامت کے دن ان کو عطا ہوگا اور حدیث میں جو تاریک شب میں مسجد کی حاضری پر بشارت دی گئی ہے وہ نورِ تام کے لفظ سے دی گئی، جیسا کہ قرآن عزیز میں اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وارد ہوا ہے۔

پس جس طرح قیامت کے دن شدید ضرورت کے وقت اہل ایمان اور اربابِ ایقان و عرفان کو ایک نورِ تام عطا کیا جائے گا اسی طرح اسید بن حضیر اور عباد بن بشر کو ظلمت اور تاریکی میں حاضر ہونے کی وجہ سے دنیا ہی میں اس نورِ تام کا ایک نمونہ عطا کر دیا گیا۔

مسند احمد بن حنبلؒ اور معجم طبرانی وغیرہ میں ہے کہ قتادہ بن النعمان جو کہ صحابۂ بدریین سے ہیں ایک مرتبہ عشا کی نماز سے فارغ ہو کر جب مکان کو واپس ہونے لگے تو رات اندھیری تھی اور بارش بھی ہو رہی تھی اور بجلی بھی چمک رہی تھی چلتے وقت آنحضرتؐ نے اُن کی چھڑی عطا فرمائی وہ چھڑی روشن ہو گئی اسی کی روشنی میں گھر پہنچ گئے۔

ابونعیم اصفہانی کی دلائل النبوت میں ہے کہ چھڑی عطا فرماتے وقت یہ ارشاد فرمایا کہ اس چھڑی سے دس ہاتھ آگے اور دس ہاتھ پیچھے تک روشنی ہوگی شاید اس دس کی خصوصیت (ایک نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے) کی بنا پر ہو۔

(۸) امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور بیہقی اور ابونعیمؒ نے دلائل النبوت میں حمزہ اسلمیؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھے، رات تاریک تھی، شب کی تاریکی کی وجہ سے ہم لوگ متفکر اور پراگندہ ہو گئے کوئی کسی طرف چلا گیا اور کوئی کسی طرف اچانک میرے ہاتھ کی تمام انگلیاں روشن ہو گئیں جس کو دیکھ کر تمام صحابہ پھر جمع ہو گئے۔ اور اگر حضرت موسیٰؑ کو سمندر پھاڑنے کا معجزہ عطا کیا گیا تو نبی اکرمؐ کو انشقاقِ قمر کا معجزہ دیا گیا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں معجزوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

(۹) علیٰ ہذا حضرت یوشعؑ کے لیے آفتاب کا کچھ دیر کے لیے ٹھہر جانا یا کسی نبی کے لیے آفتاب کا غروب کے بعد واپس آجانا اگرچہ عظیم الشان معجزہ ہے مگر انشقاقِ قمر کا معجزہ اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ وقوفِ شمس یا ردِّ شمس کے معجزہ کا حاصل صرف اتنا ہے کہ بجائے حرکت کے سکون عارض ہو گیا یا بجائے روز مرہ کی حرکت کے حرکتِ معکوس وقوع میں آئی اور ظاہر ہے کہ جسم کے دو ٹکڑے ہو جانا، جسم کے خلافِ طبیعت ہے اور سکونِ جسم کے لیے خلاف طبیعت نہیں۔ بلکہ حرکت کے لیے تو سبب درکار ہے سکون کے لیے کسی سبب کی ضرورت نہیں۔

نیز اگر شق قمر کے معجزہ کو لوہے یا پتھروں کے نرم ہو جانے سے ملایا جائے جو حضرت داؤدؑ کا معجزہ تھا تو معلوم ہو جائے گا کہ دونوں معجزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کو حق تعالیٰ نے مادر زاد اندھے کو سوانکھا کرنے، جذامی کو تندرست کرنے اور مردہ کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا، ہمارے نبی کریمؐ کو بھی اس سے بڑھ کر معجزات عطا فرمائے۔

(باقی بر صفحہ ۱۹)

مقصدِ حیات

محمد شفیع عمر الدین (سانگھڑ)

نیک اعمال بجا لانا مقصدِ حیات ہے:۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُۨ ۙ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ

(الملک آیت ۱-۲)

ترجمہ: وہ ذات بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں سب حکومت ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کس کے کام اچھے ہیں۔ اور وہ غالب بخشنے والا ہے۔

(حاشیہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ)

یعنی

سب ملک اُس کا ہے اور تنہا اُسی کا اختیار ساری سلطنت میں چلتا ہے

یعنی

مرنے جینے کا سلسلہ اُسی نے قائم کیا۔ ہم پہلے کچھ نہ تھے (اُسے موت ہی سمجھو) پھر پیدا کیا۔ اس کے بعد موت بھیجی، پھر مرے پیچھے زندہ کر دیا۔ کما قال۔ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ۚ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝

(البقرہ ع ۳)

موت و حیات کا یہ سارا سلسلہ اس لیئے ہے کہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون بُرے کام کرتا ہے کون اچھے اور کون بہت اچھے۔ پہلی زندگی میں یہ امتحان ہوا۔ اور دوسری زندگی میں اس کا مکمل نتیجہ دکھلا دیا گیا۔ فرض کرو اگر پہلی زندگی نہ ہوتی تو عمل کون کرتا۔ اور موت نہ ہوتی تو لوگ مبداء و منتہیٰ سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے۔ اور دوبارہ زندہ نہ کیے جاتے تو بھلے بُرے کا بدلہ کہاں ملتا۔

یعنی

زبردست ہے جس کی پکڑ سے کوئی نکل نہیں سکتا اور بخشنے والا بھی بہت بڑا ہے۔

حاصل یہ

نکلا کہ عدم سے وجود میں بندہ کو اس لیے لایا گیا ہے کہ وہ احسن عمل (زیادہ بھلے کام) کرے۔

احسن عمل

وہ ہیں جو قرآن مجید اور اس کی شرح حدیث شریف کے مطابق ہوں اعمال میں مقدم فرائض ہیں، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ اول فرائض کی بجا آوری اہتمام کے ساتھ کریں۔ مثلاً نماز پنجگانہ سب ارکان بجا لا کر مقررہ اوقات پر مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ فرائض سے فراغت حاصل کر کے نوافل کی طرف متوجہ ہوں۔ اسی طرح اول فریضہ زکوٰۃ ہر سال باقاعدہ ادا کریں۔ بعدہٗ نفلی خیر خیرات کریں۔ فرائض کو ترک کر کے نوافل کی طرف لگے رہنا ٹھیک نہیں۔

اعمال

اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا۝ (اسرائیل آیت ۸۴)

ترجمہ: کہہ دو کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے۔ پھر تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ سب سے زیادہ ٹھیک راہ پر کون ہے۔

حاشیہ حضرت مولینا عثمانی

"یعنی ہر ایک کافر و مومن اور معرض و مقبل اپنے اپنے طریقے، نیت اور مذہب پر چلتا اور اُسی میں مگن رہتا ہے۔ لیکن یاد رہے خدا کے علم محیط سے کسی شخص کا کوئی عمل باہر نہیں ہو سکتا۔ اور وہ ہر ایک کا طریق عمل اور حرکات و سکنات کو برابر دیکھ رہا ہے اور بخوبی جانتا ہے۔ کہ کون کتنا سیدھا چلتا ہے۔ اور کس میں کس قدر کجروی و کجراہی ہے۔ ہر ایک کے ساتھ اسی کے مطابق برتاؤ کرے گا۔"

اس جہاں سے واپسی

ایک دن انسان مرے گا۔ لوٹ کر پروردگار کے ہاں جائے گا۔

ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ (الزمر آیت ۷)

ترجمہ: پھر اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تب اعمال کا پتہ چلے گا۔

فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ط (الزمر آیت)

ترجمہ: سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔

اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝

(الزمر آیت)

ترجمہ: بے شک وہ سینوں کے بھید جاننے والا ہے۔

محشر کے دن اعمال کا ظاہر ہونا

(۱) فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝

(الزلزال آیت ۷-۸)

ترجمہ: پھر جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔

جب وہ ذرہ برابر نیکی اور بدی قیامت کے دن سامنے ہوگی تو چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ اور اسی طرح ادنیٰ سے ادنیٰ بُرائی کو بھی نظر انداز کرنا چاہئے اور بُرائی سے بچنا چاہیے اور چھوٹے سے چھوٹی نیکی کو معمولی سمجھ کر کرنے سے نہ رکنا چاہیے۔ کیونکہ ہر نیکی چھوٹی ہو یا بڑی موجبِ ثواب ہے۔ اور ہر بدی موجبِ عذاب ہے۔

"حدیث میں وارد ہے کہ آپ اس سے بچو۔ اگرچہ آدھی کھجور کا صدقہ ہی ہو۔ اسی طرح حدیث میں ہے نیکی کے کام کو ہلکا نہ سمجھو گو اتنا ہی کام ہو کہ تم اپنے ڈول میں سے ذرا سا پانی کسی پیاسے کو پلا دو۔ یا کسی مسلمان بھائی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرو۔

نیز حدیث میں ہے کہ گناہوں کو حقیر نہ سمجھو ان کا بھی حساب لینے والا ہے۔"

(تفسیر ابن کثیرؒ)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مسکین نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا اور آپ کے سامنے انگور رکھے تھے آپؓ نے ایک آدمی کو کہا کہ انگور کا ایک دانہ اٹھا کر سائل کو دے دے وہ

شخص تعجب سے دیکھنے لگا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

اَتَعْجَبُ کَمْ تَرٰی فِیْ ھٰذِہِ الْحَبَّۃِ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّۃٍ۔

یعنی کیا تو تعجب کرتا ہے۔ حالانکہ تو دیکھ رہا ہے کہ انگور کا ایک دانہ کتنی ذروں کے برابر ہے۔ (اور ایک ایک ذرے کا ثواب ضائع نہ ہوگا)۔ (موطا امام مالک)۔

(۲) یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِھَا وَتُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ (النحل آیت ۱۱۱)

ترجمہ: جس دن ہر شخص اپنے ہی لیے جھگڑتا ہوا نظر آئے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور اس پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ۔

قیامت کے دن نجات کے لیے ہر شخص ہاتھ پاؤں مارے گا، لیکن اس دن کی جدوجہد مفید نہیں ہوگی۔ ہر شخص کو مناسب اعمال کی جزا دی جائے گی۔"

نیک اعمال کا اچھا بدلہ

(۱) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّھُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ (العنکبوت آیت ۵۹)

ترجمہ: اور جو ایمان لائے۔ اور نیک کام کئے البتہ ہم انہیں جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ عمل کرنے والوں کا کیا اچھا بدلہ ہے۔ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

یعنی جو صبر و استقلال سے اسلام و ایمان کی راہ پر جمے رہے۔ اور خدا پر بھروسہ کرکے گھر بار چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اُن کو اس وطن کے بدلے وہ وطن ملے گا اور یہاں کے گھروں سے بہتر گھر دیئے جائیں گے۔"

(حضرت مولینا عثمانی)

(۲) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْھَا ۚ (القصص آیت ۸۴)

ترجمہ: جو بھلائی لے کر آیا اسے اس سے بہتر ملے گا۔

برائی کی سزا

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (القصص آیت ۸۴)

ترجمہ: پس برائیاں کرنے والے کو وہی سزا ملے گی جو کچھ کرتے تھے۔

بداعمال سے توبہ کرنے والے کے لیے مژدہ

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (النحل آیت ۱۱۹)

ترجمہ: پھر تیرا رب ان کے لیے جو جہالت سے برے کام کرتے رہے پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور سدھر گئے۔ بے شک تیرا رب اس کے بعد البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حدیث (عن ابو ہریرۃؓ)

اِذَا ھَمَّ عَبْدِیْ بِسَیِّئَۃٍ فَلَا تَکْتُبُوْھَا عَلَیْہِ فَاِنْ عَمِلَھَا فَاکْتُبُوْھَا سَیِّئَۃً وَاِذَا ھَمَّ بِحَسَنَۃٍ فَلَمْ یَعْمَلْھَا فَاکْتُبُوْھَا حَسَنَۃً فَاِنْ عَمِلَھَا فَاکْتُبُوْھَا عَشْرًا۔

(مشارق الانوار، بحوالہ مسلم)

ترجمہ: (خدا تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ) جب تیرا بندہ بدی کا قصد کرے تو اسے اس کے لیے مت لکھو۔ اگر وہ بدی کرے تو بدی لکھو۔ اور اگر وہ نیکی کا ارادہ کرے اور وہ نیکی نہ کرے تو ایک نیکی لکھو۔ اگر وہ نیک عمل کرے تو دس نیکیاں لکھو۔

حدیث۔ مسلم میں ابوذرؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو ایک نیکی لائے گا اس کو اس کا دس گناہ ثواب ہے۔ یا اس سے بھی زیادہ دوں گا۔ اور جو ایک بدی لائے گا تو اس بدی کا بدلہ اس بدی برابر ایک ہی بدی ہے یا چاہوں تو بدی بخش دوں۔ جو مجھ سے ایک بالشت برابر نزدیکی چاہے گا تو میں اس کی نزدیکی ہاتھ بھر چاہوں گا اور جو کوئی میرا قرب ہاتھ بھر چاہے گا تو میں اس کا قرب دو ہاتھ جتنا چاہوں گا اور جو میرے پاس قدم قدم چلتا آئے گا تو میں چھپٹا ہوا آؤں گا ...... (مشارق الانوار)

دُعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ مُّنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَآءِ وَالْاَدْوَآءِ

(حصن حصین)

ترجمہ: اے اللہ! میں ناپسندیدہ اخلاق و اعمال، خواہشات نفسانی اور برے امراض سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(آمین)

بقیہ ـــ رحمتِ دو عالم افضل الانبیاء ہیں

(۱۰) غزوۂ احد میں قتادہ بن النعمان کی ایک آنکھ باہر نکل آئی حضرت قتادہؓ آنکھ کو باہر لیے ہوئے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے آنکھ کو اپنی جگہ پر رکھ کر دعا پڑھی آنکھ پہلے سے بھی زیادہ بہتر ہو گئی، اس کے بعد جب کبھی کوئی تکلیف پیش آئی تو دوسری آنکھ میں پیش آئی۔ اور یہ معجزہ یعنی آنکھ گر جانے کے بعد پھر اسی جگہ رکھ کر درست کر دینا مادر زاد اندھے کو اچھا کر دینے سے بدرجہا اعلیٰ اور ارفع ہے اس لیے کہ نابینا کی آنکھیں تو جگہ پر موجود تھیں۔

ابن ابی شیبہ اور ابن سکن اور بغوی بیہقی، طبرانی اور ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ فدیک بن عمرو بالکل نابینا ہو گئے۔ کوئی شے ان کو نظر نہ آتی تھی، آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اپنا لعاب دہن اُن کی آنکھوں پر لگایا، لگاتے ہی بینا ہو گئے ۸۰ سال کی عمر تھی مگر سوئی کے ناکہ میں دھاگہ ڈال لیتے تھے (خصائص کبریٰ)

معاذ بن عفراء کی بیوی برص کے مرض میں مبتلا تھی، آنحضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر اس مرض کی شکایت کی آپ نے اپنا عصا مبارک ان پر پھیر دیا فوراً ان کا برص جاتا رہا۔

علاوہ بریں سنگریزوں کا آپ کے دست مبارک پر تسبیح پڑھنا، شجر و حجر کا سلام کرنا اور جس وقت آپ نے حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لیے دعا فرمائی تو گھر کی چوکھٹ اور تمام دیواروں کا تین بار آمین، آمین، آمین کہنا۔

اور ستون حنانہ کا آپ کے فراق میں گریہ و زاری کرنا، مُردوں کے زندہ ہو کر کلام کرنے سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے اس لیے کہ مُردہ اگرچہ فی الحال حیات سے عاری اور مجرد ہے مگر ایک وقت میں محل حیات تھا تو سہی بخلاف شجر اور حجر کے کہ اس میں حیات کا نام و نشان ہی نہیں۔

حضرت الاستاذؒ کے قلب میں اہلِ علم کا مقام اور ذمہ داریاں

ارشاداتِ شیخؒ کی روشنی میں

مولانا سمیع الحق صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور ——

حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے درس قرآن میں جو تمہیدی تقریر فرمائی اس میں علماء کرام کو خصوصیت سے اپنے فرائض کی طرف توجہ دلائی ان کے نزدیک سب سے بڑا اور اہم فریضہ قرآن مجید کی اشاعت و تبلیغ تھا. اور یہی جذبہ اُن کے تمام مساعی کا قدر مشترک اور زندگی کا طغرائے امتیاز تھا چنانچہ فرمایا.

علماء کرام کے ذمہ جو فرائض عائد ہوتے ہیں اُن میں سب سے اہم فریضہ اشاعت قرآن ہے۔ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك فان لم تفعل فما بلغت رسالة جو تجھ پر نازل کیا گیا یعنی قرآن، اس کی تبلیغ اگر نہ کی تو حق رسالت ادا نہ ہو سکے گا۔ رسول کے ذمہ پر تبلیغ قرآن ہے اور رسول کی طرف سے یہ فریضہ نیابتہً آپ پر بحیثیت ان کے غلام ہونے کے عائد ہوتا ہے اور آپ سب بحیثیت ایک غلام کے اس کے ذمہ دار ہیں۔ علماء کرام درس نظامی کے دوران تفاسیر کے ضمن میں قرآن مجید پڑھ لیتے ہیں مگر مستقلاً اور بنفسہٖ اس پر غور نہیں کرتے۔ مثلاً فقہائے عظام نے فرمایا ہے کہ موردِ خاص پر حکم عام ہوتا ہے۔ دورانِ علت پر دورانِ حکم ہوتا ہے (یعنی کسی آیت کا نزول اگرچہ کسی خاص واقعہ میں ہوتا ہے مگر اس کی اجراء ہر جگہ ہو سکتی ہے) تاکہ مواردِ خصوصی کو قواعد عمومی میں منتقل کیا جا سکے۔ آپ حضرات نے اس نقطۂ نگاہ سے قرآن مجید پر غور نہیں کیا۔ حالانکہ اس چیز کی شدید ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جلالین شریف بیضاوی اور اُن تفاسیر کے لکھنے والوں کو قبولیت دی، ان کی خدمات کو قبول فرمایا۔ مدتِ مدید سے لاکھوں ان کتابوں کو پڑھ چکے ہیں اور پڑھ رہے ہیں۔ ان کے بغیر کوئی مولوی مولوی نہیں بن سکتا۔ لیکن اس کے متعلق یہ تو نہیں کہا گیا کہ ھُوَ الاَوَّلُ ھُوَ الاٰخِرُ"۔ اس وجہ سے ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد بھی قرآن مجید پڑھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

میں آپ لوگوں کو مبارک دیتا ہوں کہ خدا نے آپ کو علمِ دین اور قرآن مجید سیکھنے کی طرف توجہ دلائی۔ اب آپ کا کام پڑھ کر اوروں کو پہنچانا اور کلمہ حق بیان کرنا ہے۔ انسان کی روحانی ضروریات قرآن سے پوری ہوں گی اور قرآن کی حفاظت خدائے تعالیٰ قیامت تک خود کرے گا۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک خاتم النبیین بنایا. اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لیا۔ اب یہ فریضہ نیابتہً آپ کے سپرد کیا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک حضور اکرمؐ کو اس عالم میں زندہ رکھنا چاہتا تو رکھ سکتا تھا اسے کونسا مانع تھا۔ کلمۂ کُن کی ضرورت تھی.

درس قرآن کی اختتامی تقریب میں نہایت درد و سوز سے فارغ ہونے والے علماء کو خطاب کیا اور فرمایا رسول اللہؐ کے وارث ہیں علماء کرام وَذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ حدیث میں ہے کہ انبیاء کو مال و دولت نہیں دیا گیا بلکہ انہیں علم دیا گیا۔ اس علم سے مراد علم قرآن و حدیث ہے رسول اللہؐ کے منصب کو سنبھالئے، غافل نہ ہو جایئے، اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہوگا۔

میں نے جب مولانا سندھیؒ سے قرآن مجید پڑھا تو فرمایا کہ احمد علی قرآن مجید کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لو۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ میں نے اللہ والوں کے جوتوں کی خاک کا سرمہ بنا کر آنکھوں میں ڈالا ہے۔ الحمد للہ اس کی ایک خاصیت یہ ہے کہ مجھ میں کچھ تعلّی نہیں ہے کہ میں کہوں کہ میں نے مولانا سندھی کے حکم کی تعمیل کی مگر میں نے جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ کا فضل و توفیق سمجھتا ہوں۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے قرآن کی اشاعت کی خاطر یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اس کو ہر طبقے میں پہنچا دیا جائے چنانچہ انہوں نے پانچ مولوی اور پانچ انگریزی دان اس کے لئے منتخب کرکے ان کو تفسیر شروع کرائی۔ یہ واقعہ ۴۲ سال پہلے کا ہے اب تو ۷۴ سال کی عمر ہے (یہ ارشادات حضرت سے ۱۳۷۸ھ میں ضبط کئے گئے ہیں اس وقت عمر ۷۴ سال تھی)

خدا نے کام لینا تھا ان دس شاگردوں میں کسی کو اشاعتِ قرآن کی اتنی توفیق نہ ملی میں روزانہ حضرت مولانا سندھی کی تقریر کو ایک دستہ کاغذ لے کر لکھ لیا کرتا تھا۔ جب مولانا سندھی کابل تشریف لے جا رہے تھے، انہوں نے میرا مسودہ دیکھا فرمانے لگے کہ یہ مجھے دے دیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو میرا سارا علم ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم میری تقریر کے الفاظ پچانوے فیصدی لکھا کرتے ہو۔ میں دہلی میں لکھ کر پھر بار بار دہراتا اور اس طرح یاد بھی کر لیتا۔ دہلی میں باقی طلباء عصر کے وقت تفریح کے لئے نکلتے اور میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار پر جا کر سبق دہراتا۔ میرے تمام ساتھی مجرد تھے اور میں شادی شدہ تھا۔ میرے بڑے لڑکے مولوی حبیب اللہ وہیں (دہلی) میں پیدا ہوئے ہوئے تھے۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کام لیا اور اب برصغیر کا کوئی ایسا صوبہ نہیں جہاں میرے پڑھے ہوئے شاگرد نہ ہوں۔ حضرت سندھیؒ نے جو کچھ سکھایا ان کی سالہا سال کی دماغی محنت کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے امروٹ شریف کی مسجد میں معتکف بیٹھ کر اس عظیم الشان خدمت کو سرانجام دیا۔

میں تو مرنے والا ہوں، اور چاہتا بھی ہوں کیونکہ مجھے مرنے میں کوئی باک اور تکلیف نہیں اور مجھے اب بھی اٹھا لے تو اپنے مولا سے راضی ہوں۔ میں بارگاہِ خداوندی میں پیش کرکے کہوں گا کہ اے اللہ میں نے ان کو قرآن پڑھایا ہے اور جب تک تم لوگ قرآن مجید کی خدمت کرتے رہے تو احمد علیؒ پھر بھی زندہ رہے گا میری روح خوش ہوتی رہے گی۔ آپ کا ثواب مجھے قبر میں بھی ملے گا۔ علماء کو الگ طرز سے پڑھایئے، طلبہ کو الگ پڑھایئے۔ عوام کو ان کے ذہن کے مطابق پڑھایئے تاکہ جب انسان عالمِ ملکوت سے عالمِ روحانیت میں جائے تو وہاں بھی اسے زندگی آرام کی نصیب ہو۔ کیونکہ قرآن کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسان جا کر آرام کی زندگی بسر کرے۔

خدمت قرآن کے سلسلے میں میں نے جو ترجمہ اور حواشی لکھے میں نے اپنے اکابر اور اپنے وقت کے بزرگوں سے اس کی تائید و تصویب کرانی ضروری سمجھی۔ میں نے اس کا حضرت مولانا انور شاہ صاحب، حضرت مولانا حسین احمد صاحب حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب (قدس اسرارہم) و دیگر علمائے حق کو پیش کیا کہ اگر یہ مسودہ صحیح ہو تو خدمت دین کی خاطر شائع کیا جائے ورنہ جلا دیا جائے۔ چنانچہ بزرگوں نے اس حقیر کی خدمت کو سراہا، ان کی تقاریظ درج ہیں۔ اپنے وقت کے تمام علماء نے تحسین کی ماشاء اللہ والحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

ایک دفعہ یہاں لاہور میں ایک اجلاس کے لیے حضرت شاہ، انور شاہؒ اور مولانا مدنیؒ تشریف لائے تھے اور میں نے تقریر کی اور کہا کہ اگر خدا مجھ سے پوچھے کہ تو نے کیا کیا ہے تو یہی کہوں گا کہ ان دو بزرگوں کی توجہات اور دعاؤں سے یہ خدمت سر انجام دی۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت مقبول ہو چکی ہے۔

اولٰئك آباءی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع،

مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ العزیز ان کی تائید، تائید اکمل ہوگی اور قبولیت خداوندی کا ذریعہ۔

تبلیغ قرآن کی ترغیب دیتے ہوئے طلبہ کو نصیحت کرتے اور فرماتے کہ جب بھی کوئی پیغمبر لوگوں کو حق کی آواز سناتے تو لوگ مخالف ہو جاتے تھے رسولؐ فریضۂ تبلیغ انجام دے رہے تھے، قرآن مجید کی اشاعت کر رہے تھے۔ ابولہب اور اس کی عورت مانع ہوئی۔ تو نتیجہ سیسطے تاراً ہوا۔ کیونکہ ارشادات نبویؐ من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ رسول کی مخالفت اللہ کی مخالفت ہے۔ ابولہب کی بیوی بھی ہلاک ہوئی۔ اسی طرح اب بھی علماء دین قرآن و سنت کی اشاعت کریں گے اور ان کو جو بھی بدقسمت منع کرے گا وہ ابولہب کی صنف میں سے ہوگا، جس طرح اور انبیاء کرام کے دشمن تھے اسی طرح حضورؐ کے بھی اور ان کے نائبین کے بھی دشمن ہیں۔ آج بھی جو عالم قرآن پڑھائے گا وہاں لوگ مخالفت شروع کر دیں گے۔ اگر کوئی بدترین قسم کی برائی کرے تو کوئی مخالفت نہ ہوگی۔ برائیوں میں سب اکٹھے ہیں مگر جب قرآن آئے تو شیطان آجاتا ہے اور لوگوں کو مخالفت پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میرے ایک استاذ مولانا نجم الدین صاحب جو اورنٹیل کالج کے پروفیسر اور حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے قرآن کا درس شروع کیا لوگ ان کی مخالفت کرنے لگے، یہاں تک کہ ٹرک پر لیٹ جاتے کہ ترجمہ نہ ہوگا۔

یہ مسجد جس میں میں پڑھاتا ہوں لاوارث مسجد ہے۔ یہاں پہلے پولیس لائن تھی۔ اس میں کسی نیک بخت نے چھوٹی سی مسجد بنوائی۔ خدا نے مجھے یہاں لانا تھا۔ یہاں چاروں طرف سنسان میدان تھا۔ رات کو گذر نہیں ہو سکتا تھا، اس ڈر سے کہ لوٹے نہ جائیں۔ درس قرآن کی مخالفت ہوتی رہی، قتل کے حملے کئے گئے۔ خدا کا فضل تھا کہ بچ گیا۔ یہ حملے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ مگر قرآنی تعلیم کامیاب ہو کر رہتی ہے۔ باطل حق سے ٹکراتا ہے اور آخر میں حق ہی کو کامیابی اور غلبہ ہوتا ہے۔ باطل ابتدا میں پورا زور دکھاتا ہے، مگر پھر شکست کھا جاتا ہے۔ پہلے یہاں معمولی کام ہوتا رہا، مگر اب خدا کا فضل ہے۔ ابھی تک تخمیناً گیارہ لاکھ نو ہزار رسالے شائع ہو گئے ہیں۔ خدام الدین کی اشاعت اس سے الگ ہے۔ خدا کے فضل سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں جاتا ہے۔ انڈونیشیا، ایران، ٹرکی، جرمنی، امریکہ، لندن، مدینہ منورہ مکہ معظمہ کو پہنچتا ہے۔

چراغے را کہ قدرت برفروزد
کسے کو تف کند ریشش بسوزد

اگر آپ منطق و فلسفہ پڑھائیں تو مخالفت نہیں ہوگی کیونکہ شیطان اس سے ناراض نہیں ہوتا اور جب یہاں سے جا کر قرآن پڑھائیں گے تو آپ کی مخالفت شروع ہوگی میں نے اپنے واقعات اس لئے بتائے کہ تمہیں تسلی ہو کہ واقعی ہیں۔ لاہور میں کہا گیا تھا۔

اکثر مولوی صاحبان قرآن نہیں پڑھاتے مخالفت سے ڈرتے ہیں اور واقعی مخالفت کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں، اللہ تعالیٰ توفیق دے تو آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے اہل اللہ کی صحبت بھی ضروری ہے جس کی بدولت انقطاع عن الخلق اور اعتماد علی اللہ حاصل ہوتا ہے اور جب یہ چیزیں حاصل ہوں تو پھر اعداء اسلام کی مخالفت سے گھبراہٹ نہیں ہوتی اور کامیابی قدم چومتی ہے۔ انبیاء کرام اسی جوہر کی وجہ سے کامیاب ہوئے جب حضور نے فرمایا: وما اسئلكم عليه من اجر ان اجری الا علی رب العلمین۔ میں تم سے فرض تبلیغ کے بدلے کچھ صلہ نہیں چاہتا، میرا بدلہ اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے تو مخاطبین کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جب حضورؐ اجر نہیں چاہتے تو بود و باش کا ذریعہ کیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا: وتوکل علی الحی الذی لا یموت اس حی و قیوم پر بھروسہ رکھ جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مخاطبین کا شبہ رفع ہوا۔ قرآن کی خدمت کا صحیح طریقہ یہ ہے جو مسلک نبوت نے بتا دیا اور یہ اعتماد علی اللہ، انقطاع عن الخلق بزرگوں کے جوتوں کی خاک میں ملتا ہے۔ لاہور کی آبادی چودہ لاکھ ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ تمام کے تمام دستخط کر دیں کہ مجھے دانہ اور گھونٹ پانی نہ دیں مگر صرف قرآن سنانے سے نہ روکیں اللہ کو منظور ہوا تو دیکھو کھانا وغیرہ کہاں سے آتا ہے۔ ومن یتق اللہ یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب۔

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

قاضی وغیرہ پڑھنے سے یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا یہ اعتماد علی اللہ اور توکل قرآن کی اشاعت کے لئے روح رواں ہے۔ لوگ سنیں یا نہ تم سناتے رہو، اجرت نہ مانگو۔ وعظ فروش نہ بنو، سر جائے تو جائے مولا راضی ہو جائے تو یہ سستا سودا ہے۔

(باقی آئندہ)

عورتوں کا صفحہ

○ حضرت ہاجرہؓ ○

ہیڈ ماسٹر محمد امین صاحب بورسٹل جیل) ——

حضرت ہاجرہؓ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی بیوی اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی والدہ ہیں جب حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے حکم خداوندی سے ماں اور بیٹے دونوں کو عرب کے ریگستان (موجودہ مکہ معظمہ) میں چھوڑا یہ صدیوں پہلے کی بات ہے۔ آج کل تو یہ جگہ آباد اور دنیائے اسلام کے مسلمانوں کا دینی اور روحانی مرکز ہے۔ مگر اُن دنوں یہ جگہ سنسان اور غیر آباد تھی۔ چاروں طرف ریگستان اور پہاڑیاں تھیں۔

حضرت ابراہیمؑ حکم الٰہی سے ننھے اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کو لے کر چلتے ہیں۔ تو یہ خدا کی نیک بندی حضرت ہاجرہ نہایت خاموشی سے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ کوئی وجہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتی اور وہ پوچھنے کی جرأت بھی نہیں فرماتیں۔ بڑھاپے میں خدا تعالیٰ نے بچہ عطا فرمایا۔ والد اور والدہ نے اس کی خوشی بھی نہ دیکھی کہ دونوں کو جُدا ہونا پڑا اور پھر ایسی جگہ چھوڑا جہاں دن کو بھی وحشت برستی ہو۔ مگر وہ صابرہ حضرت ہاجرہؓ ایک پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور دوسرے پیغمبر حضرت اسماعیلؑ کی والدہ خاموش ہیں اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھ رہی ہیں۔ مگر ادھر مشیت ایزدی ان کی اس کس مپرسی کی حالت میں حد سے زیادہ برکات اور رحمتیں نازل کرنے والی تھی۔

جب حضرت ابراہیمؑ دونوں ماں اور بیٹے کو اس ریگستان (موجودہ مکہ) کی جگہ چھوڑ کر چلنے لگے تو حضرت ہاجرہؓ نے فقط اتنا پوچھا کہ ہمیں کس کے سپرد کر رہے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے فقط اتنا فرمایا "خدا کے حکم سے خدا کے سپرد کر رہا ہوں"۔ حضرت ہاجرہؓ یہ الفاظ سن کر خاموش ہو گئیں اور صبر سے کام لیا۔ حضرت ابراہیم انہیں کچھ کھجوریں اور پانی کا ایک مشکیزہ دے کر واپس چلے گئے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد یہ دونوں چیزیں ختم ہو گئیں۔ حتیٰ کہ حضرت ہاجرہؓ کی چھاتی مبارک کا دودھ بھی بھوک اور پیاس کی شدت سے خشک ہو گیا۔ حضرت اسماعیل بھی بھوک پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ ماں یہ حالت دیکھ نہ سکی تڑپ اٹھیں اور پانی کی تلاش میں نکلیں تاکہ بچے کی جان بچ جائے۔ دوڑی دوڑی ایک پہاڑی کی طرف گئیں تاکہ پانی مل سکے۔ مگر جب پہاڑی پر چڑھ کر ادھر اُدھر دیکھا تو انہیں کہیں پانی نظر نہ آیا، اچانک بچے کی تڑپ اور محبت سے بے چین ہو کر واپس بھاگیں تاکہ نورِ نظر کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

حضرت اسماعیلؑ ابھی تک زندہ تھے اگرچہ ان کے ننھے ننھے ہونٹ خشک ہو چکے تھے۔ تاہم وہ بدستور تڑپ رہے تھے۔ بھوک پیاس کا زور، سورج کی تپش، عرب کا بے آب و گیاہ ریگستان۔ حضرت ہاجرہؓ کی چھاتی کا دودھ خشک ہونا۔ پانی کا مشکیزہ اور کھجوریں بھی کئی دن سے ختم تھیں مگر آپ نے ان سب بلاؤں کا صبر و تحمل سے مقابلہ کیا۔ لیکن حضرت اسماعیل کی حالت کو دیکھ کر اچانک حضرت ہاجرہؓ دوسری پہاڑی کی طرف دوڑتی ہیں کہ شاید ادھر کہیں پانی کا نشان مل جائے اور حضرت اسماعیل کی جان بچ جائے۔ مگر ادھر بھی کہیں پانی کا نشان نہ مل سکا۔ آپ بہت بے چین ہوئیں معاً آپ کو پھر بچے کا خیال آیا کہ اسے کوئی جنگلی جانور نہ کھا جائے۔ کبھی خیال آتا کہ شاید زندہ بھی ہے یا نہیں۔ اس خیال کے آتے ہی آپ پھر واپس بھاگ آتیں۔ دیکھا تو حضرت اسماعیل ابھی زندہ تھے۔ اسی طرح بے چینی کی حالت میں حضرت ہاجرہؓ نے دونوں پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے اور ہر بار یہی جستجو ہوئی کہ کہیں پانی مل جائے چاروں طرف سے مایوس ہو گئیں، کوئی سہارا اور آسرا باقی نہ رہا سخت پریشانی کی حالت ہوئی، بچے کے پاس ٹھہر بھی نہیں سکتیں۔ اور اس کی تڑپ آپ کو پانی کی تلاش کے لیے مجبور کرتی ہے۔ جب ساتواں چکر لگایا تو پانی نہ ملنے کی وجہ سے متردد ہوئیں۔ لیکن رحمتِ ایزدی جوش میں آ گئی اور جب آپ چکر لگا کر واپس مڑیں تو دیکھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے پاؤں سے پانی کا چشمہ ابل رہا ہے۔ فرطِ مسرت سے حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا "زم! زم" جس کا مطلب ہے ٹھہر ٹھہر۔ چنانچہ اس دن سے لے کر آج تک اس چشمے کو "چاہِ زمزم" کے نام ہی سے پکارا جاتا ہے۔

رضائے ایزدی کے مطابق حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں ماں بیٹے نے وہیں رہنا شروع کر دیا اور پانی کے چشمے کی وجہ سے وہاں ایک نخلستان بن گیا۔ عرب کے تجارت پیشہ لوگ آتے جاتے یہاں قیام کرنے لگے۔ اور جب وہ جاتے تو حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو کچھ معاوضہ دے جاتے۔ جس پر ماں اور بیٹا گزر اوقات فرماتے۔

حضرت ابراہیمؑ بھی کبھی کبھی آپ کو ملنے کے لیے تشریف لاتے۔ ایک رات آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالےٰ ان سے کسی پیاری چیز کی قربانی طلب فرماتا ہے۔ آپ نے صبح اٹھ کر راہ خدا میں اونٹ بطور قربانی ذبح کیے دوسری رات پھر وہی خواب آیا۔ آپ نے پھر اونٹ ذبح کیے۔ تیسری رات پھر وہی خواب آنے پر آپ نے سوچا کہ خدا تعالیٰ اونٹوں کی بجائے کسی پیاری چیز کی قربانی کا حکم فرماتا ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو راہ حق میں قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور ریگستان میں جا کر حضرت ہاجرہؓ کی اجازت سے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کرنے کے لیے ساتھ لے چلے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر اس وقت دس بارہ سال کے لگ بھگ تھی اور آپ اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ جب آپ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو بتایا کہ وہ انہیں راہ حق میں قربان کرنے کے لیے لائے ہیں تو حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا۔

"اباجان! خدا اور آپ کا حکم سر اور آنکھوں پر حکم خداوندی بجا لائیے"۔ اس کے بعد آپ نے مزید عرض کی کہ ابا جان ایک تو مجھے ذبح کرتے وقت ماتھے کے بل (الٹا) لٹانا۔ تاکہ کہیں شفقتِ پدری مشیت ایزدی میں حائل نہ ہو۔ دوسرا میرے ہاتھ پاؤں رسّی سے باندھ دینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے تڑپنے سے آپ پر خون کے چھینٹے پڑیں اور بے ادبی ہو۔ تیسرا میرا کرتہ میری والدہ (حضرت ہاجرہؓ) کو دے دینا تاکہ وہ اسے دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لیا کریں۔

چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر کو ذبح کرنے کے لیے الٹا لٹا لیا اور باپ بیٹا دونوں حکم خداوندی کی بجا آوری کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے اور بوڑھے باپ نے اپنے لختِ جگر کی گردن پر چھری رکھ دی تو غیب سے آواز آئی "وناديناه ان يا ابراهيم قد صدقت الرّؤيا" اور ہم نے پکارا کہ اے ابراہیمؑ! تو نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اور ہم (خدا تعالیٰ) نے اپنی رحمت سے حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کو ایک دنبے سے بدل دیا۔ خدا تعالیٰ

کو باپ بیٹے کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ قیامت تک کے لیے قربانی کو سنت قرار فرما دیا۔

خدا تعالیٰ کو حضرت ہاجرہؓ کے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑنے کی ادا اتنی پسند آئی کہ ایک تو اپنی رحمت سے چشمہ جاری کر دیا اور دوسرے تمام حاجیوں کے لیے قیامت تک ان دونوں پہاڑیوں (صفا اور مروہ) کے درمیان اسی طرح سات بار دوڑنا ضروری قرار دیا۔

ہمیں بھی ہر وقت نیکی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ نہ جانے خدا تعالےٰ کو کونسی ادا پسند آ جائے اور بیڑا پار ہو جائے۔ "آمین"۔

بقیہ ـــــ تعزیراتِ اسلامی

کے دن نیکی اور بدی کا ذرہ ذرہ بھی سامنے آئے گا۔ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝

نیکی ترازو کے ایک پلڑے میں ہوگی اور بدی دوسرے پلڑے میں۔ عربی کی ایک مثل ہے مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ جو چیز مکمل طور پر حاصل نہ ہو سکے اسے کاملاً ترک بھی نہ کرنا چاہیے۔

معروضاتِ بالا پیش کرنے والوں سے اگر سوال کیا جائے کہ چونکہ آج کل سوسائٹی کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور چاروں طرف جرائم اور ان کے دواعی پھیلے ہوئے ہیں اور ان حالات میں حکومت آپ کے سپرد کر دی جائے یا آپ کو ملک کا مختار مطلق، صدر یا با اقتدار قاضی القضاۃ بنا دیا جائے اور پہلے ہی دن زانی یا سارق کا مقدمہ آپ کے روبرو پیش ہو جائے تو کیا آپ اس پر شرعی حد جاری کریں گے یا کوئی اور سزا تجویز کریں گے؟۔

اگر آپ شرعی حد جاری فرمائیں تو آپ بقول خود ظالم ٹھہریں گے اور اگر قرآن کے خلاف فیصلہ صادر فرمائیں تو اولٰئک ھم الکافرون کے مصداق ہوں گے۔ صاف صاف بات یہ ہے کہ انسان کو احکام شریعت پر عمل کرنے کی استطاعت ہو اور جس وقت یہ طاقت میسر آ جائے اُسے اس پر عمل پیرا ہونے میں ڈھیل نہ کرنی چاہیے۔ یہ اس کا فرض ہے اور فرض کی انجام دہی میں غفلت کرنے والا مجرم قطعی ہے۔

استفتا

سوال: شریعت کی رو سے ایک شخص کو فاسق فاجر کب کہا جا سکتا ہے۔ اور کس قسم کے افعال سے اس پر فسق و فجور کا حکم لگایا جائے گا۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ شرعاً فاسق و فاجر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو محرمات قطعیہ شرعیہ کا ارتکاب کر رہا ہو جو کبائر گناہوں کے قبیلہ سے ہوں اس فاسق کے لئے مختلف مدارج ہیں۔

ایکؔ درجہ وہ ہے جس میں وہ تمام کبائر سے بڑھ کر کبیرہ گناہ یعنی شرک اعتقادی کا مرتکب ہو جائے۔ اس درجہ میں فسق انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

دوسرؔا درجہ وہ ہے جس میں انسان شرک اعتقادی میں مبتلا نہ ہو بلکہ دوسرے محرمات قطعیہ کا احیاناً مرتکب ہو رہا ہو۔ اس درجہ کو علماء نے تغابی کا نام دیا ہے۔ یعنی غباوت اور نادانی سے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

تیسرؔا درجہ انہماک کا ہے۔ یعنی کبیرہ گناہوں کے ارتکاب میں منہمک ہو اور اکثر اوقات اس میں مبتلا رہتا ہو۔ مگر دل میں یہ اعتقاد مضبوط اور مستحکم ہو کہ یہ گناہ قبیح اور حرام ہے اور اس سے بچنا میرے لئے لازم اور مجھ پر فرض ہے تغابی اور انہماک کے ان دو درجوں میں انسان فسق اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے خارج از اسلام نہیں ہوتا بلکہ مؤمن رہتا ہے کیونکہ عقیدہ میں کوئی خرابی ایسی نہیں آئی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ شریعت کے حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال کردہ چیزوں کو حلال نہ سمجھتا ہو۔ للہذا یہ شخص سخت گنہگار اگرچہ ضرور ہے مگر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک نہیں ہے۔ لیکن فسق اور ارتکاب کبائر کا ایک درجہ اور ہے۔ جس کو علماء شریعت درجۂ جحود کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ انسان کبیرہ گناہوں کی مباشرت میں اس قدر منہمک رہے کہ اس کے دل سے گناہ کی قباحت اور برائی بیکسر نکلے اور گناہ کے کام کو بجائے برا سمجھنے کے اچھا اور مستحسن سمجھنے لگے۔ اور طاعات و عبادات کو قبیح سمجھنا شروع کرے فسق کا یہ درجہ درجۂ انہماک کے بعد بطورِ نتیجہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ ایسا درجہ ہے کہ جس میں انسان ایمان کی دولت سے محروم ہو کر اسلام کے دائرہ سے نکل جاتا ہے۔

سید الاتقیا اسوۃ الصلحا مہاجر مدنی حضرت مولانا حبیب اللہ مدظلہ العالی کا

مکتوب حبیب

یہ مکتوب گرامی اماں جی ادام اللہ فضلہا کے نام ہے۔ چنانچہ انہیں کی خواہش کے مطابق ہدیۂ قارئین کرام کیا جا رہا ہے ——— (مناظر حسین نظر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

بپیشگاہ علیا حضرت آیۂ رحمت والدہ ماجدہ صاحبہ دامت برکاتہن

سلام مسنون - مزاج اقدس - حبیب اللہ - از المدینۃ المنورۃ

الحمد للہ رب العالمین بخیر و عافیت اور ہر طرح سے خوش و خرم ہوں - رحمت الٰہی سے یقینی توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز آپ سب حضرات بھی میری ہی طرح مع الخیر ہونگے۔ یوم الخمیس ۷ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۶۲ء کو آپکا کرمت نامہ محررہ عبد الماجد سلمہٗ جس پر یکم ستمبر ۱۹۶۲ء کی تاریخ درج ہے - باعث سرفرازی ہو کر کاشف حالات ہوا -

آپ اس حقیقت سے خوب باخبر ہیں کہ شریعت کا حکم ہے کہ نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھی جاتی ہے -

اللّٰھم لا تحرمنا اجرہٗ - ولا تفتنا بعدہٗ

بعض وجود ایسے مسعود ہوتے ہیں - رحمت الٰہی کے مظہر اتم کہ ان کی برکت سے مخلوق آفات سماویہ وارضیہ سے محفوظ رہتی ہے - جہاں وہ بابرکت وجود دنیا سے اٹھے تو فتنوں کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے - الامان والحفیظ سورج جب غروب ہو جاتا ہے تو اپنی روشنی ساتھ لے جاتا ہے - وہ اللہ کے بندے جب دنیا سے جاتے ہیں تو اپنی برکتیں ساتھ لے جاتے ہیں - اسی لئے شریعت نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ان اللہ کے مقبول بندوں کی وفات پر یہ دعا مانگو - ان کی وفات کے صدمہ پر اللہ تعالےٰ ہم کو اجر دے - اور انکی وفات کے بعد اللہ تعالےٰ کسی فتنہ میں ہم کو مبتلا نہ کرے - جن فتنوں کو انکی برکت سے روک رکھا تھا وہ رکے ہی رہیں۔ صدق اللہ العلی العظیم - وصدق رسولہ النبی الکریم

یہ امر واقعہ ہے کہ میں ۱۶ ذو القعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ارض مقدس حجاز میں پہنچا تھا -

اور مرحوم و مغفور لہٗ اعلیٰحضرت قبلہ ابا جان رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کا وصال ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو ہوا - یعنی ان کے انتقال پر ملال سے ٹھیک چودہ برس قبل چودہ برس سے دو ماہ کم ہوتے ہیں میں ارض مقدس میں پہنچ گیا تھا - اس چودہ برس کے عرصہ میں انہوں نے سینکڑوں مرتبہ آپ کو اللہ تبارک و تعالےٰ کے اس احسان عظیم پر شکر کرنیکی تلقین فرمائی کہ شکر کرو سارے لاہور میں ایک ماں ایسی نہیں جسکے بیٹے کو اللہ تبارک و تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے المسجد النبوی الشریف میں بیٹھکر قال اللہ و قال الرسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی خدمت کی توفیق بخشی ہو - بلکہ پورے پاکستان کا ایک فرد بھی ایسا نہیں جو عربی زبان میں الحرم النبوی الشریف میں دین کی خدمت کے شرف سے مشرف ہو - ہے پورے پاکستان میں اللہ نے اس شرف سے مجھ عبد حقیر و فقیر کو نوازا وہ مرحوم و مغفور لہٗ بار بار اسی لئے آپ کو تلقین فرماتے تھے کہ اسکی مفارقت اور جدائی پر صبر کرنا اور صبر پر اللہ تعالےٰ سے اجر کی توقع رکھنا جو صبر کا سبق چودہ برس تک انہوں نے آپ کو پڑھایا - ابھی ان کے وصال کو ایک سال بھی پورا نہیں گزرا کہ وہ سبق آپ بھول گئے -

آپ نے اپنے خط میں یہ تحریر فرمایا ہے

آپ سے استخارہ جان آپ کو ادھر آنے کی اجازت نہیں دیتے لیکن میں تقاضائے مامتا کو کیسے دباؤں - سبحان اللہ ایسی چیز سے ہمیں نہ روکا

اگر انسان کی ساری خوشیاں اور مرادیں دنیا میں ہی پوری ہونے لگ جائیں تو وہ دنیا کیا ہوئی - وہ تو جنت ہو گئی - جنت کی نعمتوں میں سے اللہ نے یہ ذکر فرمایا - ولہم فیہا ما یشتہون - جو خواہش بھی ہوگی پوری ہو جائیگی دنیا تو دار الکدر - دار المحن - اور دار الفتن ہے - دنیا میں کس کو سب مرادیں ملی ہیں -

ومن ما حیث اخری اگر آپ غور فرمائیں - تو ہر چیز پر قدرت تامہ تو صرف اللہ تبارک و تعالےٰ کی صفت ذاتی ہے - ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر -

اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ قادر علی کل شیءٍ و بندہ عاجز عن کل شیءٍ

اگر بندہ کی بھی ہر بات پوری ہونے لگ جائے تو پھر وہ بندہ کیا ہوا - وہ تو معاذ اللہ اللہ تعالےٰ ہو گیا -

اب المسجد النبوی الشریف میں بیٹھکر دین کی خدمت صبح و شام کریں - اور ہر روز آپکی زیارت کا شرف بھی حاصل کریں - یہ قدرت تو صرف اللہ تبارک و تعالےٰ کو ہے - بندہ کو تو اللہ نے یہ قدرت نہیں بخشی -

اب دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنی ہوگی -

یا تو محض اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے - اپنی ہدایت و مغفرت اور اپنے والدین الماجدین کی مغفرت و نجات آخرت کیلئے المسجد النبوی الشریف میں بیٹھکر دین کی خدمت کریں -

یا پھر ان تمام سعادتوں سے محروم ہو کر صرف آپ کی ملاقات کیلئے لاہور آجاؤں قبلہ ابا جان رحمۃ اللہ علیہ نے تو پہلی بات اختیار کرنیکی آپ کو چودہ برس تلقین فرمائی - اب آپ انکی روح پر فتوح کو بھی ناراض کرنا چاہتے ہیں -

اب آپ تھوڑا سا صبر فرمائیں صبر پر اللہ نے بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے

انما یوفی الصابرون اجرہم بغیر حساب -

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ ہر عمل کا اجر قیامت کے دن ماپ تولکر ملے گا - الا واحد عمل - اور وہ صرف صبر کا عمل ہے -

بے صبری میں آکر اپنے آپ کو اور ہم کو سعادت دارین کے شرف سے محروم نہ کیجئے - مرحوم و مغفور اعلیٰحضرت قبلہ ابا جان رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ برس تک جس صبر کی آپ کو تلقین فرمائی ہے تمام عمر اس پر قائم رہیں وہ سبق بقیۃ العمر بھولنے نہ پائے -

برادر عزیز مولوی محمد انور سلمہٗ - مولوی حبیب اللہ سلمہٗ - طاہرہ بی بی - زاہدہ بی بی عزیزی محمد اجمل سلمہٗ عزیزی محمد اکمل سلمہٗ عزیزہ رفیعہ بی بی سلمہا عزیزہ مریم بی بی سلمہا اور انکا بھائی - اور ہمشیرہ صاحبہ اور ان کے سب بچوں کو سلام مسنون -

والسلام مع الاکرام

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

۹ ستمبر ۱۹۶۲ء

یوم الاحد

خدام الدین - لاہور

ایڈیٹر
عبید اللہ انور

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل
نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور بحین بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور بحین بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۷۳۰-۲۷۳۰ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء